ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

February 2025

مُدیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۲) شعبان ۱۴۴۶ھ مطابق فروری ۲۰۲۵ء شمارہ (۸)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئینہ

صریر خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورۂ ملک	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۴)
درس حدیث:		
دور حاضر اور علامات قیامت:	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۸)
مقالات ومضامین:		
شب برأت کے تقاضے	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۹)
انسانی سماج اور ضرورت تعلیم	مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ	(۱۴)
مسلمانوں کی بدحالی کا مجرم کون؟	معصوم مرادآبادی	(۱۹)
تصوف کی حقیقت	مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ	(۲۲)
...مسلمانوں کی پوزیشن	مولانا محمد ناصر پرتاپ گڑھی	(۲۵)
غلطیوں کو شخصیت پر...	خلیل الرحمٰن قاسمی برنی	(۲۹)
ارتداد کا بڑھتا ہوا فتنہ	محمد عاصم مبشر	(۳۱)
غامدی فکر کی بنیادی گمراہیاں	مولانا یحییٰ نعمانی	(۳۳)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۲)
جامعہ کی سرگرمیاں	ادارہ	(۴۴)
طب وصحت		
پپیتا کے فوائد	ادارہ	(۴۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

سوا سال سے زائد مدت کے بعد بالآخر حماس واسرائیل کے درمیان جنگ بندی کا وقتی وعارضی معاہدہ ہوااور قیدیوں کی رہائی کا عمل شروع ہوا۔اسرائیل اور امریکہ جنگ بند کرنا نہیں چاہتے تھے،لیکن ایک طویل جنگ اور غزہ کو کھنڈر میں بدلنے کے باوجود جب اہل غزہ کو وہ زیر نہ کر سکے اور ان کے عزم وحوصلے اور جذبۂ حریت وجہاد کو ختم نہ کر سکے، بلکہ اپنے قیدیوں تک کو نہ چھڑا سکے،تو انھوں نے محسوس کیا کہ جنگ بندی کا معاہدہ کئے بغیر اب کوئی چارہ نہیں ہے۔چنانچہ معاہدہ ہوا،اور اہل غزہ کی شرط پر ہوا۔معاہدہ تو جیسا تیسا ہوگیا،لیکن اسے اسرائیل اور امریکہ نے اپنے لئے ذلت کا سودا سمجھا،اس لئے یہ ہضم نہیں ہو رہا ہے، اور اہل غزہ کا ولولہ وحوصلہ اور اپنے کھنڈروں میں تبدیل مکانوں میں خوشی خوشی ان کی واپسی، اسرائیل سے پھوٹی آنکھ دیکھی نہیں جارہی ہے۔اس لئے اب ایک نئی سازش رچی جارہی ہے کہ غزہ کی تعمیر نو کے نام پر غزہ کو امریکہ کے حوالے کر دیا جائے اور اہل غزہ کو اردن،مصر،سعودیہ اور پاس پڑوس کے دیگر ممالک میں آباد کر دیا جائے۔

یہ ایک خطرناک منصوبہ ہے،اور عالمی قوانین کے خلاف ہے۔اگر یہ منصوبہ کامیاب ہوتا ہے تو اس سے یہی نہیں کہ اہل غزہ کی زمینیں چھن جائیں گی،انھیں غزہ سے نکال دیا جائے گا اور ان کی نسلوں کو جلاوطنی کی زندگی گذارنی پڑے، بلکہ پھر اسرائیل کی زد سے شام، اردن اور سعودیہ بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔اور اسرائیل کا ''گریٹر اسرائیل'' کا منصوبہ جس میں شام،اردن اور سعودیہ وغیرہ پر قبضہ کر کے اسرائیل میں شامل کرنا ہے، بآسانی انجام دیا جاسکے گا۔نیز پوری دنیا کا امن وامان بھی ختم ہوجائے گا اور کسی ملک کی کوئی سرحد محفوظ نہیں رہے گے،بل کہ طاقت ور ممالک، کمزور ملکوں کی زمینوں پر قبضہ کر کے وہاں کے باشندوں کو نکال باہر کرنا شروع کر دیں گے۔اور اس سے روس وچین کے یوکرین اور تائیوان میں علاقائی عزائم کو بھی مزید تقویت ملے گی،اس وقت امریکہ کیا کرے گا۔

بظاہر یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکتا،اس لئے کہ عرب ممالک کی رضامندی کے بغیر یہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا،اور ابھی تک تمام ہی عرب ممالک نے بیک زبان اس منصوبے کو انتہائی خطرناک تسلیم کیا ہے اور مسترد کیا ہے۔عرب ممالک کے سربراہوں سے کوئی زیادہ امید تو نہیں رکھی جاسکتی،لیکن اس منصوبے میں انھیں خود اپنا عدم تحفظ نظر آرہا ہے،اس لئے ہوسکتا ہے، ہمت وجرأت سے کام لیں اور ایسے کسی منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیں۔

غزہ صرف اہل غزہ کا ہے،اور وہ صرف زمین کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ یہ لاکھوں فلسطینیوں کا گھر ہے، جو کئی دہائیوں سے قبضے، جارحیت، اور ناانصافی کا شکار ہیں۔فلسطینی عوام کو ان کے گھروں سے زبردستی بے دخل کرنے کی کسی بھی کوشش کو انسانی وقار اور حقوق پر سنگین حملہ تصور کیا جانا چاہئے اور اقوام متحدہ کو ایسے کسی منصوبے کے خلاف سخت نوٹس لینا چاہئے۔

سورۃ الملک

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقاً ؕ مَّا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ
تَرٰى مِن فُطُورٍ (۳) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ؕ(۴) وَلَقَدْ زَيَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصٰبِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (۵)

(جس نے بنائے سات آسمان تہ پرتہ، کیا دیکھتا ہے تو رحمن کے بنانے میں کچھ فرق، پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ۔ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر۔ اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں [یعنی ستاروں] سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان [ستاروں] کو شیطان کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور ہم نے ان [شیاطین] کے لئے [آخرت میں] دوزخ کا عذاب [بھی] تیار کر رکھا ہے۔)

تشریح وتفسیر

"اَلَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقاً" (جس نے بنائے سات آسمان تہ پرتہ) اس سے پہلے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وعظمت کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اس آیت میں اس کا مشاہدہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یوں تو کائنات کی ایک ایک چیز حتیٰ کہ خود حضرت انسان، اس کا جسم، اس کی جان، اس کے دل و دماغ کی رعنائیاں، اس کی صلاحیتیں کون سے چیز ہے جو اس کی قدرت وعظمت کا شاہکار نہیں۔ ہاتھ کے انگوٹھے کی پور اس پر کھنچے ہوئے باریک باریک خطوط انسان کے لیے آج تک حیرت کا سامان بنے ہوئے ہیں۔ اس کی بینائی، اس کی سماعت، اس کے احساسات، اس کے انفعالات ایک ایک چیز ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی ہے۔ لیکن انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے دائیں بائیں اور گردوپیش نگاہ نہیں دوڑاتا۔ پیش پا افتادہ حقیقتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اس لیے پروردگار نے آسمانوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ ایک تو وہ اپنے جسم اور حجم میں شاید اس کی کائنات میں سب سے عظیم ہیں، پھر ان کا وجود اس طرح سر پر چھتری بنا ہوا ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ بارش کی امید میں اسی طرف دیکھتا ہے، روشنی وہیں سے چھن چھن کر آتی ہے، ٹھنڈی اور تنہا راتوں میں چاند کا حسن اسی طرف سے اپنی حلاوت لٹاتا ہے۔ پھر انسان دیکھتا ہے کہ یہ عجیب چھت ہے جس کا کوئی ستون نہیں، جسے کسی چیز نے تھاما ہوا نہیں، جس کا کوئی اور چھور نہیں، نہ کہیں اس کی ابتداء معلوم ہوتی ہے اور نہ انتہاء، اور پھر ایسے آسمان ایک نہیں تہ بہ تہ سات

بنائے گئے ہیں۔نصوص میں ایک آسمان کا فاصلہ دوسرے آسمان تک پانچ سو سال بتایا گیا ہے۔اس کی مزید تفصیلات سے ہم بے خبر ہیں۔سائنس آج تک اس کا وجود نہ پاسکی، یہ نیلگوں چھت جسے ہماری نگاہیں دیکھتی ہیں اور اسے انسانوں نے ہمیشہ آسمان سمجھا ہے سائنس کی نگاہ میں یہ حدِ نگاہ ہے،لیکن کیا اس کے اوپر بھی آسمان ہے یا نہیں، سائنس اس کا جواب نہیں دے سکی۔سائنسدان زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم آج تک آسمان کو دیکھ نہیں پائے یا ہمیں اس کا علم حاصل نہیں ہوسکا۔لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ سرے سے اس کا وجود نہیں۔اس لیے کہ عدم علم، عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔(روح القرآن)

مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ ''(کیا دیکھتا ہے تو رحمن کے بنانے میں کچھ فرق) یعنی قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا، ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرام علویہ، سبع سماوات اور نیرات تک یکساں کاریگری دکھلائی ہے۔یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت وبصیرت سے اور بعض کو یونہی کیف ماتفق، بے تکا یا بیکار وفضول بنادیا ہو (العیاذ باللہ) اور جہاں کسی کو ایسا وہم گزرے سمجھو اس کی عقل ونظر کا قصور ہے۔(عثمانی)

''فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ''(پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ) یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، کہیں درز یا دراڑ نہیں۔نہ کسی صنعت میں کسی طرح کا اختلال پایا جاتا ہے۔ہر چیز ویسی ہے جیسا اسے ہونا چاہیے۔اور اگر یہ آیتیں صرف آسمان سے متعلق ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب! اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا درز اور شگاف نہیں پائے گا۔بلکہ ایک صاف ہموار، متصل، مربوط اور منظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود مرورِ دہور اور تطاول ازمان کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔(عثمانی)

اس آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا والے آسمان کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ نیلگوں فضا جو دکھائی دیتی ہے یہی آسمان ہو، بلکہ ہوسکتا ہے آسمان اس سے بہت اوپر ہو اور یہ نیلگوں رنگ ہوا اور فضا کا ہو، جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں، مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آسمان انسان کو نظر ہی نہ آئے، ہوسکتا ہے کہ یہ نیلگوں فضا شفاف ہونے کے سبب اصل آسمان کو جو اس سے بہت اوپر ہے دیکھنے میں مانع نہ ہو اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہوجائے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آسمان کو آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا تو پھر اس آیت میں رویت سے مراد رویت عقلی یعنی غور وفکر ہوگا۔(بیان القرآن)

''ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ''(پھر لوٹا کر نگاہ کر دوبارہ لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر) یعنی ممکن ہے ایک آدھ مرتبہ دیکھنے میں نگاہ خطا کر جائے، اس لیے پوری کوشش سے بار بار دیکھ، کہیں کوئی رخنہ تو دکھائی نہیں دیتا خوب غور وفکر اور نظر ثانی کر کہ قدرت کے انتظام میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ تو نہیں۔یاد رکھ! تیری نگاہ تھک جائے گی اور ذلیل ودر ماندہ ہو کر واپس آجائے گی۔لیکن خدائی مصنوعات و انتظامات میں کوئی عیب وقصور نہ نکال سکے گی۔(عثمانی)

اس آیت میں اتمامِ حجت کے لیے بار بار دیکھنے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ شاید اس لیے کہا گیا کہ ایک بہت بڑی

صنعت اور حیران کن صنعت گری کو ایک نگاہ یا چند دفعہ دیکھنے سے کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں۔اس لیے بار بار نا قدانہ نگاہ سے دیکھنے کی دعوت دی گئی۔ جس پروردگار کی یہ بے مثال قدرت وحکمت اور اس کا مرقع (بشکل آسمان) ہمارے سروں پر پھیلا ہوا ہے کہ ہم اس کی کی وسعت کا اندازہ لگانے سے قاصر ہیں اور کہیں اس میں معمولی سا نقص بھی دکھائی نہیں دیتا۔ایسی عظیم ذات کے لیے کون سا کام دشوار ہوسکتا ہے۔اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی کہ کوئی شخص ایسی عظیم ذات کے بارے میں یہ تصور کرے کہ جب سب لوگ مرکھپ جائیں گے تو وہ سب کو دوبارہ کیسے زندہ کرسکے گا اور بیشمار لوگوں کے اَن گنت اعمال کی جزاء وسزا کس طرح ممکن ہوسکے گی۔حتیٰ کہ بعض بے وقوف ایسے ہیں کہ وہ قیامت کے وقوع کو اس لیے ناقابلِ یقین سمجھتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی دفعہ ساری مخلوقات کو تباہ کردیا جائے اور زمین وآسمان کو توڑ پھوڑ دیا جائے، حالانکہ اب سائنس نے اس بات کو یقینی بنادیا ہے کہ زمینی زندگی کا دارومدار کشش ثقل پر ہے اور تمام ستارے اور سیارے اور اجرامِ فلکی اسی قانون کے تحت محوِ پرواز ہیں۔اور سائنسدانوں کے کہنے کے مطابق یہ کشش روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ایک روز ایسا آئے گا جب یہ بالکل ختم ہوجائے گی،سورج بے نور ہوجائے گا،تو ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔(روح القرآن)

''وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ''(اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں [یعنی ستاروں] سے آراستہ کررکھا ہے) یعنی آسمان کی طرف دیکھو!رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے کیسی رونق وشان معلوم ہوتی ہے۔یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں۔(عثمانی) نیچے کے آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ستارے آسمان کے اندر یا اس کے اوپر لگے ہوئے ہوں، بلکہ یہ تزیین اس صورت میں بھی صادق ہے، جبکہ ستارے آسمان سے بہت نیچے خلا میں ہوں، جیسا کہ تحقیق جدید سے اس کا مشاہدہ ہورہا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔(معارف)

اہل لغت نے ثابت کیا ہے کہ وہ تارے جو از خود حرکت نہیں کرتے ان کو ثوابت کہتے ہیں، آٹھویں آسمان پر ہیں اور سات ستارے چاند، سورج، عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل، جو حرکت خود بھی کرتے ہیں، ان میں سے صرف چاند تو اول آسمان پر ہی ہے، جس کو سب سے نیچے کا آسمان اور السماء الدنیا کہتے ہیں، باقی اوپر کے آسمانوں میں ہیں۔مگر آسمان صاف اور شفاف ہیں اس لیے اوپر کے آسمانوں کے ستارے اور ثوابت بھی اسی آسمان پر دکھائی دیتے ہیں جس طرح پانچ چھ آئینے اوپر تلے دھرے ہوں اور اوپر کے آئینوں میں نقش ونگار ہوں وہ سب نیچے کے آئینے میں معلوم ہوتے ہیں۔اب غور کریں کہ ان ثوابت وسیارات کا ایسا طلوع وغروب اور ایسے مواقع پر ہونا یہ بھی اس حکیم وقادر کا فعل ہے جس نے ان میں روشنی عطا کی۔نئی ہیئت والوں کے نزدیک یہ ثوابت وسیارات ابعاد مختلفہ پر دورہ کرتے ہیں اور جو بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں وہ بہت دور ہیں، گو فی نفسہ وہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور بعض ایسے دور ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے اور یہ فضا جس میں دورہ کررہے ہیں آسمان ہے اور ہر ستارے کے لحاظ سے فضا کی وسعت ہے۔ستارے مشہور ہمیشہ سے سات ہیں اس لیے ان ساتوں فضا کو سبع سماوات کہتے ہیں گو حال میں اور بھی ستارے ثابت ہوئے ہیں۔ان کے نزدیک بھی اس فضا کا

شب میں مختلف قندیلوں سے مزین نظر آنا بہت قوی دلیل آثارِ قدرت وحکمت پر ہے۔(حقانی)

”وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ“(اورہم نے ان[ستاروں] کوشیطان کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اورہم نے ان[شیاطین] کے لئے[آخرت میں] دوزخ کا عذاب[بھی] تیار کررکھا ہے۔)احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ شیاطین اسرارِ آسمانی سننے کے لیے اوپر چڑھا کرتے ہیں، فرشتے ان کو ان انگاروں سے مارتے ہیں۔رات کو جو تارہ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ یہی رجوم ہیں۔سورۂ صافات میں بھی آیا ہے۔”اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ا۟لْكَوَاكِبِ(۶)وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ(۷)لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ(۸)دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ(۹)اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ(۱۰)(ہم ہی نے رونق دی ہے اسی طرف والے آسمان کو عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ۔اورحفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے۔وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اوروہ ہر طرف سے مار کر دھکے دیے جاتے ہیں۔اوران کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے۔)

”جَعَلْنٰهَا“ کی ضمیر جنس مصابیح کی طرف راجع ہے، نہ کہ عین مصابیح کی طرف، اس لیے کہ شیاطین پر وہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں۔(ابن کثیر)لفظ مصابیح یا کواکب یا نجوم ان ستاروں پر بھی مستعمل ہوتا ہے جو آسمانوں پر ہیں اوران اوخنہ پر بھی جو رات کو ٹوٹتے ہیں۔یہ جنس ہے، اس کے بعض افراد زینت کا کام دیتے ہیں اور بعض سے شیاطین مارے جاتے ہیں۔نہ یہ کہ وہ خاص ستارے جو آسمانوں پر ہیں، وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔زمین سے جو اوخنہ اٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور کرہ نار کے قریب پہنچتے ہیں تو ان میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ جلتے ہوئے انار سے چھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، گو علت یہ ہو مگر اس سے کام یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔حال کی تحقیقات سے دم دار ستارے اور دیگر چھوٹنے والے ستارے اوخنہ ثابت نہیں ہوئے، بلکہ وہ بھی ایک خاص ستارے اور خاص مادے ہیں اور لوگوں نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی یہ تارے ٹوٹتے ہیں تو سیدھے زمین کی طرف نہیں آتے جو ان کا حیز طبعی تھا بلکہ ادھر ادھر ایسے جاتے ہیں جیسا کہ کسی نے پھینک کر مارا ہو۔(حقانی)

ستاروں کو شیاطین کے دفع کرنے کے لئے انگارے بنا دینے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ستاروں میں سے کوئی مادہ آتشیں ان کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہو، ستارے اپنی جگہ رہتے ہوں، عوام کی نظر میں چونکہ یہ شعلہ ستارہ کی طرح حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے، اسلئے اس کو ستارہ ٹوٹنا اور عربی میں انقضاض الکوب کہہ دیتے ہیں(قرطبی)اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیاطین جو آسمانی خبریں چرانے کے لئے چڑھتے ہیں وہ کواکب اور ستاروں سے نیچے ہی دفع کردیئے جاتے ہیں(ایضاً)

”وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ ٱلسَّعِيرِ (۵)“(اورہم نے ان[شیاطین] کے لئے[آخرت میں] دوزخ کا عذاب[بھی] تیار کررکھا ہے۔)یہ شیاطین کی دنیا میں سزا ہے۔آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے یہ شاہد بھی اس کی شہنشاہی پر دال ہے کہ مفسدوں کے لیے کیسے توپ گولے تیار کررکھے ہیں۔

درس حدیث

دورحاضر اور علامات قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

قرآن کریم کو گانے کے طرز پر پڑھا جائے گا:

''عن حذیفة بن الیمان قال قال رسول اللہ ﷺ إقْرَؤُ الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا وَإِيَّاكُمْ وَلُحُونَ أَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُونِ أهل الْكِتَابَيْنِ، و سَيَجِيءُ بعدِي قوم يُرَجِّعُونَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُونَةٌ قُلُوبُهُمْ وَقُلُوبُ الَّذِينَ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ''۔(مشکوۃ:2207۔شعب الایمان:2406)

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن، عربی لہجے اور عربی آواز سے پڑھا کرو اور اہل عشق اور یہود و نصاریٰ کے لہجوں سے بچو، اور میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو نغمے اور نوحے کی طرح آواز دہرا دہرا کر قرآن پڑھیں گے، اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے اور ان لوگوں کے دل، جو ان کی حالت پر فریفتہ ہوں گے، فتنہ سے دوچار ہوں گے۔)

اس حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو تلقین فرمائی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت عربی لب و لہجے میں، مخارج کی درست ادائیگی کے ساتھ کی جائے، اس لئے کہ قرآن کریم عربی زبان ہی میں نازل ہوا ہے۔ گا گا کر نہ پڑھا جائے اور نہ ہی عشقیہ انداز میں پڑھا جائے۔ اسی طرح یہود و نصاری اپنی کتابیں جس انداز سے پڑھتے ہیں اس سے بھی بچا جائے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ لوگ میری اس نصیحت کو پس پشت ڈال دینگے اور قرآن کریم کو نغمے اور نوحے کی طرح آواز دہرا دہرا کر پڑھیں گے، اور حال یہ ہوگا کہ بس ان کی پوری توجہ اسی نغمے اور گانے ہی تک رہے گی۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے یعنی دل تک نہیں اترے گا۔ قرآن کریم ان سے کیا مطالبے کر رہا ہے، انھیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ ان کی عملی زندگی قرآن کریم کی تعلیمات سے خالی ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہ معاشرے میں قاری صاحب کہے جاتے ہوں، لیکن قرآن ان کے جبڑوں ہی کے بیچ تک رہے گا، ان کے دل میں اس کی تعلیمات کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

افسوس کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے یہ دور دیکھ رہے ہیں، بہت سے لوگوں کو آپ گا گا کر قرآن کریم پڑھتے ملیں گے اور بہت سے جاہل تو میوزک کی ٹون پر پڑھتے ملیں گے۔

ضرورت ہے کہ قرآن کریم کو درست پڑھنے کی باقاعدہ تعلیم حاصل جائے اور اپنے بچوں کو بھی دلائی جائے اور ایسے طور پر پڑھنے سے بچا جائے، شریعت میں جس سے منع کیا گیا ہے۔

شب برأت کے تقاضے

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے بعض اوقات اور بعض مقامات میں وہ فضیلت رکھ دی ہے جو دوسرے اوقات یا دوسرے مقامات کو حاصل نہیں ہے۔ان اوقات مخصوصہ اور مقامات مخصوصہ میں عبادت کا ثواب بھی بڑھ جاتا اور دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح ان خاص اوقات یا مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوتا ہے، اسی طرح ان مواقع اور مقامات پر گناہ کا وبال بھی دوسرے اوقات ومقامات کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اور ان مقامات یا اوقات میں گناہ کرنا زیادہ سنگین ہوتا ہے۔مثلاً مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب، دوسری جگہوں پر پڑھنے کے مقابلے میں ایک لاکھ گنا زیادہ ہے، تو وہاں برائی کرنے کا گناہ بھی دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ اشد ہے۔ یا مثلاً شب قدر میں عبادت کا ثواب زیادہ ہے، تو برائی کا گناہ بھی زیادہ ہے۔

اس لئے ایسے اوقات میں یا ایسی جگہوں پر یہ ضروری ہے کہ نیکی چاہے تھوڑی کرے، لیکن برائی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے، کیونکہ نیکی منافع کی چیز ہے، جتنا کمالو گے اتنا تمہارا زرمبادلہ بن جائے گا، لیکن گناہ گھاٹے اور نقصان کا سودا ہے، جو پونجی ہے وہ بھی ضائع ہوسکتی ہے۔ عام ذوق یہ ہے کہ نیکی کی طرف رغبت تو بہت ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ انسان نیکی کرنا چاہتا ہے۔لیکن افسوس برائی سے بچنے کا اہتمام کم ہوتا ہے۔نیکی تو کرلیتا ہے لیکن برائی اور گناہ کے امور سے کم لوگ ہیں جو بچ پاتے ہیں۔

شبِ براءت کی فضیلت

خاص فضیلت کی راتوں میں سے ایک رات پندرہ شعبان کی ہے۔جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات پیش کئے جارہے ہیں:

(۱)''عَنْ عَائِشَةَ قالت فَقَدتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لَیْلَةً فَخَرَجْتُ فَإِذَا هُوَ بِالبَقِیعِ فَقَالَ أَکُنْتِ تَخَافِیْنَ اَنْ یَحِیْفَ اللہُ عَلَیْکِ؟ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! ظَنَنْتُ اَنَّکَ اَتَیْتَ بَعْضَ نِسَائِکَ فَقَالَ اِنَّ اللہَ تَبَارَکَ وتَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کَلْبٍ''(ترمذی شریف ۱/۱۵۶، ابن ماجہ، ص۹۹)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

بستر پر نہ پایا، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی، تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (مدینہ طیبہ کا قبرستان) میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے دیکھ کر) ارشاد فرمایا: کیا تو یہ اندیشہ رکھتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیرے ساتھ بے انصافی کرے گا؟ (یعنی تیری باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس چلا جائے گا؟) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلۂ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (بنوکلب عرب کا ایک قبیلہ تھا، عرب کے تمام قبائل سے زیادہ اس کے پاس بکریاں ہوتی تھیں۔)

(۲) ''عَنْ عَلِيِّ بنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلى اللّٰهُ عليه وسلم اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوا لَيْلَهَا وصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا فيَقُولُ اَلاَ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِيْ فَاَغْفِرَ لَهُ اَلاَ مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَهُ اَلاَ مُبْتَلاً فَاُعَافِيَهِ كَذَا اَلاَ كَذَا حتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ'' (ابن ماجہ ص ۹۹، شعب الایمان ۳/۳۷۸، حدیث ۳۸۲۲)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب نصف شعبان کی رات آجائے تو تم اس رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن (پندرہویں تاریخ) کا روزہ رکھا کرو؛ اس لیے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سورج غروب ہونے سے طلوعِ فجر تک قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا ہے کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟، کیا ہے کوئی مجھ سے رزق کا طالب کہ میں اس کو رزق عطا کروں؟ کیا ہے کوئی کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت عطا کروں؟ کیا ہے کوئی ایسا؟ کیا ہے کوئی ایسا؟ اللہ تعالیٰ برابر یہ آواز دیتے رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجاتا ہے۔

(۳) ''عَنْ اَبِيْ مُوسىٰ الاشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قال: اِنَّ اللّٰهَ لَيَطَّلِعُ فِى لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ اِلاَّ لِمُشْرِكٍ او مُشَاحِنٍ'' (سنن ابن ماجہ، ص:۹۹)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جھانکتے ہیں یعنی متوجہ ہوتے ہیں نصف شعبان کی رات میں، پس اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے کے۔

(۴) ''عَنْ ابنِ عُمَر قال: خَمْسُ لَيَالٍ لاَ يُرَدُّ فِيْهِنَّ الدُّعَاءُ لَيلَةُ الجُمُعَةِ واَوَّلُ لَيلَةٍ مِنْ رَجَبَ وَلَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعبانَ ولَيلَتَا الْعِيْدِ'' (شعب الایمان ۳/۳۴۲، حدیث ۳۷۱۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: پانچ راتوں میں دعا رد نہیں ہوتی (ضرور قبول ہوتی ہے)

جمعہ کی رات، ماہِ رجب کی پہلی رات، نصف شعبان کی رات، عیدین کی راتیں۔

ان احادیث شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شبِ برأت ایک بابرکت اور عظمت والی رات ہے، اگرچہ جو روایتیں پیش کی گئی ہیں، محدثین کے نزدیک ان کی سندیں کمزور ہیں؛ مگر چوں کہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں؛ اس لیے یہ روایات کم از کم "حسن لغیرہ" کے درجے میں ہیں۔

شبِ براءت میں کرنے کے کام:

اللہ تعالی اگر توفیق دیں تو اس شب میں ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے: نفل نمازوں کا پڑھنا۔ تہجد کا اہتمام کرنا۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ بکثرت استغفار پڑھنا۔ اللہ تعالی سے اپنی اور اپنے والدین واعزاء واقرباء کے مغفرت کے دعا کرنا۔ قبرستان جانا۔ دن میں روزہ رکھنا۔

حدیث نمبر دو میں مذکور ہو چکا کہ اس شب میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "اَلاَ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِیْ فَاَغْفِرُ لَهُ اَلاَ مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُهُ اَلاَ مُبْتَلاً فَاُعَافِیْهِ" (کیا ہے کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟، کیا ہے کوئی مجھ سے رزق کا طالب کہ میں اس کو رزق عطا کروں؟ کیا ہے کوئی کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت عطا کروں)

اس حدیث میں مانگنے کی تین چیزیں مذکور ہیں:

(۱) بخشش مانگنا: اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ مانگا جائے اور یہ سمجھ کر مانگا جائے کہ وہ ہمارا خدا ہے، ہم اس کے بندے ہیں، کسی اجنبی سے معاملہ نہیں ہو رہا، اپنے خدا سے ہو رہا ہے، اپنے رب سے مانگ رہے ہیں، ہمارا کام ہی مانگنا ہے، اور اس کا کام عطا کرنا ہے، بلبلا کر مانگا جائے، گڑگڑا کر مانگا جائے، امید کے ساتھ مانگا جائے، کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے، کوئی بے ادبی کا لفظ نہ ہو، وہ ہمارے مالک اور خدا ہیں، ہمیں اپنے خدا پر ناز ہونا چاہئے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ایک تو بخشش مانگی جائے۔

(۲) رزق مانگنا: عام طور پر لوگ رزق اسی روٹی پانی کو سمجھتے ہیں، اور اس میں لوگ پریشان بھی بہت ہیں، اپنی اپنی سمجھ اور اپنا اپنا خیال ہے، تاہم جہاں تک انسان کا تصور جاسکتا ہے، وہاں تک رزق کے حدود پھیلے ہوئے ہیں، دنیاوی یا اخروی، جسم یا روح کی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو سامان پیدا فرمائے ہیں، اور جن پر انسان کی بقا کا دارومدار ہے وہ ساری کی ساری چیزیں رزق کہلاتی ہیں، روٹی پانی بھی اس میں داخل ہے، یہ جسم کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر رکھی ہیں، یہ بھی اس میں داخل ہیں، اور پھر اردگرد جو چیزیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں، ظاہری چیزیں بھی داخل ہیں، باطنی چیزیں بھی داخل ہیں، رزق کا لفظ ایسا جامع ہے کہ ہماری ضرورت کی کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے۔

پس الفاظ بھی ایسے گول مول سے استعمال کر لئے جائیں، جو ہمارے سامنے اہم چیزیں ہوں وہ تو ہم نام لے کر مانگ لیں کہ: اے اللہ! ہماری فلاں ضرورت ہے، وہ پوری کر دیجئے، لیکن جب ہم ان چیزوں کو مانگ لیں تو اتنا ضرور کہہ دیں کہ یا اللہ!

آپ کے رزق کی حدود جہاں تک پھیلی ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری چیزیں مانگتے ہیں، تاکہ کوئی چیز بھی پیچھے نہ رہے۔

(۳) عافیت مانگنا: عافیت کا معنی ہے مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں سے حفاظت، جیسے مصیبتیں، بیماریاں، دکھ درد، پریشانیاں اور رنجش وغیرہ یہ ساری چیزیں جو انسان کو ناگوار گزرتی ہیں، ان سے بچالینا اس کو عافیت کہتے ہیں، اور پھر عافیت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کسی تکلیف میں مبتلا ہوگیا ہو اور اللہ سے یہ مانگے کہ یا اللہ! مجھے تکلیف سے نجات عطا فرما۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی تکلیف اور کسی مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے اس تکلیف سے بچانا اور اس سے حفاظت فرمانا۔

نوٹ:

نفلی عبادت تنہائی میں اور اپنے گھر میں ادا کرنا افضل ہے؛ لہٰذا شب براءت کی عبادت بھی گھر میں کریں۔ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے؛ ذکر و تلاوت، نفل نماز، صلاۃ التسبیح وغیرہ کوئی بھی عبادت کی جاسکتی ہے۔ کسی خاص عبادت کو ضروری سمجھنا غلط ہے۔

وہ امور جن سے بچنا ضروری ہے:

اس شب کے موقعہ پر معاشرے میں بہت سے ایسے امور رائج ہیں، جو بدعات و خرافات ہیں، لیکن لوگ جہالت کی بنیاد پر کرتے ہیں ان سے بچنا ضروری ہے، اس لئے کہ یہ برائیاں، ہماری نیکیوں کو ختم کردیں گی اور گناہ کو ثابت کردیں گی، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم سے جو نیکی ہوسکے وہ کریں ورنہ سوجائیں، لیکن بدعات و خرافات وغیرہ میں ہرگز مشغول نہ ہوں اور نہ اپنے بچوں کو مشغول ہونے دیں:

(۱) ان بدعات و خرافات میں سب سے بدترین اور ملعون رسم "آتش بازی" ہے، جو آتش پرستوں اور کفار و مشرکین کی نقل ہے، اس شیطانی رسم میں ہر سال مسلمانوں کی کروڑوں کی رقم اور گاڑھی کمائی آگ میں جل جاتی ہے، بڑی دھوم دھام سے آگ کا یہ کھیل کھیلا جاتا ہے، گویا ہم خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نیازمندی اور عبادت و استغفار کا تحفہ پیش کرنے کے بجائے اپنے پٹاخے اور آگ پیش کرتے ہیں۔

(۲) شبِ براءت کے موقع پر بعض لوگ گھروں، مسجدوں اور قبرستانوں میں چراغاں کرتے ہیں، یہ بھی اسلامی طریقے کے خلاف ہے اور غیر مسلموں کے تہوار دیوالی کی نقل اور مشابہت ہے۔

(۳) شبِ براءت میں بعض لوگ حلوہ پکانا کارِ ثواب اور ضروری سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ اس رات کا حلوے سے کوئی تعلق نہیں۔ آیات کریمہ، احادیث شریفہ، صحابہ کرام کے آثار، تابعین و تبع تابعین کے اقوال اور بزرگانِ دین کے عمل میں کہیں اس کا تذکرہ اور ثبوت نہیں۔

(۴) شب براءت میں فضول گپ شپ میں رات بھر جاگنا، سڑکوں پر موٹر سائکل سے مٹر گشتی کرنا، گلیوں،

چوراہوں اور ہوٹلوں میں وقت گذارنا، بالکل بے سود؛ بلکہ "نیکی برباد گناہ لازم" کا مصداق ہے۔

(۵) شبِ براءت کے موقع پر گھروں کی لپائی پوتائی اور نئے کپڑوں کی تبدیلی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، نیز گھروں میں اگربتی جلاتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس رات میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، ان کے استقبال میں ہم ایسا کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بالکل فاسد اور مردود ہے، یہ عقیدہ رکھنا جائز نہیں اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

(۶) مسور کی دال پکانا یہ بھی بے ہودہ رسم ہے۔ غرض یہ تمام رسمیں خرافات اور بے اصل ہیں، جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں؛ لہٰذا ان سب چیزوں سے احتراز لازم ہے۔

یاد رہے ہماری کامیابی اور نجات اخروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور آپ کی سنت کی اتباع میں مضمر ہے، اور آپ کے طریقے سے ہٹ کر جو بھی راہ اختیار کی جائے گی وے گمراہی اور ضلالت کے سواء کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"كُلُّ اُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلاَّ مَنْ اَبى، قَالُوْا: وَمَنْ يَّأْبى؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبى"

(بخاری شریف ۲/۱۰۸۱، حدیث ۷۲۸۰) یعنی میری امت کا ہر ہر فرد جنت میں داخل ہوگا؛ مگر جو انکار کرے گا اور بات نہیں مانے گا وہ جنت سے دور رہے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! انکار کون کرسکتا ہے؟ ارشاد ہوا: جو شخص میری اطاعت وفرماں برداری کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا اس نے گویا انکار کردیا، جس کی وجہ سے وہ جنت سے محروم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ پوری امت کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات وخرافات سے حفاظت فرما کر اتباعِ سنت کے جذبے سے مالا مال فرمائے! آمین ثم آمین!

****

انسانی سماج اور ضرورت تعلیم

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ

انسانی سماج: انسانی افراد کے اس مجموعہ کا نام ہے جو آپس میں کسی ربط کی بنیاد پر زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایک لسانی وحدت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے۔ سماج کا قیام ایک فطری ضرورت ہے۔ جس سے مفر ممکن نہیں۔ کیوں کہ ایک انسان تنہا اور بلا کسی دوسرے کی مدد اور تعاون کے راحت اور خوبی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو اپنی زندگی کو آسان اور قابلِ اعتماد بنانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔

مثلاً کھانے ہی کو لیجیے۔ یہ روٹی جو ہم کھاتے ہیں، اس کے روٹی بننے کے لیے کتنے ہاتھوں اور کتنے انسانوں کی محنت اور تعاون درکار ہوتا ہے۔ زمین جوتنے والا کسان اور ہل بنانے والا انسان جس سے کسان کھیت جوتا ہے، پھر غلہ کو آٹا بنانے کے لیے سل یا چکی بنانے والا انسان، پھر اس کو بازار میں لانے اور فروخت کرنے والا انسان، پھر لکڑی اور آگ مہیا کرنے والا انسان، ان سب کے تعاون وتعامل کے بعد کھانے والے انسان کی روٹی تیار ہوتی ہے۔

اسی طرح لباس، مکان اور دیگر ضروریات زندگی، جس کی فہرست انسان کی زندگی کی وسعت اور تنگی کے لحاظ سے طویل یا مختصر ہوتی ہے، اسی طرح کے واسطوں درواسطوں کی محتاج ہوتی ہے اور اس سلسلے میں آپس کے تعاون و یکجہتی سے انسانی معاشرہ یا سماج بنتا ہے، جو زندگی کو مفید طریقوں کے مطابق ڈھالتا ہے اور اپنے اردگرد کی سہولت اور وسائل سے حسب ضرورت فائدہ اٹھاتا ہے۔

عملِ تعلیم: پھر انسان اپنی زندگی کے تعاون و استفادہ، نیز مطالعہ و تجربہ سے حاصل کردہ فوائد کو اپنی آنے والی نسلوں کے لیے باقی رکھنا چاہتا ہے، تاکہ محنت وحصول تجربہ کے اس حصہ سے وہ مستغنی ہوسکیں جو انجام پاچکا ہے اور حصول تجربہ اور معلومات کے عمل کو اس کے آگے انجام دے سکیں، اس کے لیے سالوں میں سکھانے اور تعلیم دینے کا عمل اختیار کیا جاتا ہے، جو درحقیقت تربیت و پرداخت کا ایک عمل ہے، جو انسانی افراد ایک متعین رجحان وذوق کے لحاظ سے انجام دیتے ہیں۔

بے ضابطہ طریقہ سے تعلیم: ہم کو تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ معاشرہ کے معاشرہ بننے کے بعد ہی سے سیکھنے سکھانے کا یہ عمل شروع ہوجاتا ہے، چناں چہ سلیقہ مندوں، تجربہ کاروں اور عمل پیرا لوگوں کو ان کے معاشرہ کے کم عمر ناواقف لوگ دیکھ دیکھ کر ان کی سلیقہ مندی اور تجربہ کاری اور عملی اندازوں کا کچھ نہ کچھ حصہ، کسی نہ کسی حد تک، خود بہ خود یا بالارادہ حاصل کرلیا کرتے ہیں، اس اخذ واستفادہ کے لیے صرف عام عقل انسانی کا استعمال کافی ہوجاتا ہے اور یہ انسانی عقل ہمہ

وقت انسان کے ساتھ رہتی ہے اور کام کرتی رہتی ہے۔ گھر میں بچے اپنی ماں کو، اپنے باپ کو مختلف کام اور انداز اختیار کرتے دیکھتے ہیں، نیز ان کے والدین یا بڑے اپنے چھوٹوں اور ناواقف لوگوں کو بعض ایسے پہلوؤں کی طرف جو مخفی محسوس ہوتے ہیں راہ نمائی کرتے ہیں اور اس طرح خود بخود سیکھنے سکھانے کا عمل جاری ہو جاتا ہے، اور یہی دراصل بے ضابطہ تعلیم کی ایک شکل ہے۔

تعلیم بے ضابطہ سے باضابطہ کیسے بنی؟ پھر یہی بے ضابطہ تعلیمی طریقہ باضابطہ تعلیم کی اساس اور بنیاد بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ معاشرہ انسانی میں ہنر اور کام جیسے جیسے وسیع ہوتے جاتے ہیں، ویسے ویسے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ نوعمر اور ناواقفوں کو بتانے اور سکھانے کی طرف توجہ کی جائے اور خصوصی راہ نمائی کی جائے۔ اسی سے باضابطہ تعلیم کا نظام وجود میں آیا ہے۔

باضابطہ تعلیم کا آغاز: باضابطہ تعلیم کی ابتدا کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کی باضابطہ شکل کا آغاز عبادت گاہوں، مسجدوں اور مذہبی حلقوں سے ہوا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا تھا کہ جب لکھنے پڑھنے کے رواج کے ہونے نہ ہونے سے قطع نظر عبادت کے نگرانوں، دینی و اخلاقی کام کے کوشاں اور دعوت و اصلاح کے حاملین اپنے اپنے معاشروں میں دینی اور اصلاحی معلومات و تعلیمات پیش کرتے اور اپنے اپنے معاشروں کو ان امور سے واقف کراتے تھے۔ ان کی مجلسوں کو، خواہ مدرسہ کی چٹائی، اسکول کی تپائی یا نصاب و نظام تعلیم کا بندھا ٹکا انتظام نہ ملا ہو، لیکن بندھے ٹکے نظام کے تحت مذکور بالا مقاصد کے سلسلے میں جو نتائج برآمد ہو سکتے تھے، اس سے بہتر یا اس کے مساوی ضرور حاصل ہوتے رہے۔

پھر اسی تربیت و وعظ کے کام نے تربیت و تعلیم کی شکل اختیار کی، تعلیم کے گرد تعلیمی حلقے بننے لگے اور کتابوں کی مدد سے معلمین باضابطہ طریقہ سے اس کام کو انجام دینے اور اس کی بتدریج بہتر سے بہتر صورتیں اختیار کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے یہاں اس کی ابتدا "صفہ نبوی" سے ہوئی، پھر دینی تعلیم کے مرکزوں سے اس کی توسیع و ترقی ہوئی۔ مراکش کے فاس شہر میں جامع القرویین اور تونس میں جامع زیتونہ اور قاہرہ میں جامع ازہر، جن میں سے ہر ایک کی تاریخ ہزار سال سے زیادہ ہے، سب مسجدیں ہیں، جن میں دینی تعلیم شروع کی گئی اور اسی سے یہ عظیم تاریخی یونیورسٹیاں بنیں۔ انگلستان میں آکسفورڈ، کیمبرج، فرانس میں سوربون یونیورسٹی سب گرجوں کے مدرسوں سے شروع ہوئے اور آج وہ عالمی سطح کی یونیورسٹیاں ہیں۔

قرآن و حدیث سے تعلیم کی ہمت افزائی: مسلمانوں کے لیے تو اخلاق و شرافت انسانی اور روحانیت اور مذہبی معلومات کے مضامین پر قرآن مجید سے زیادہ اہمیت اور اثر پذیری رکھنے والی کوئی کتاب نہیں، اس میں جگہ جگہ علم کی تعریف آئی ہے اور علم و تعلیم کا تذکرہ تعریفی انداز سے کیا گیا ہے، فرمایا:

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ"

یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں سے اصحاب علم ہی ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب ہے اور مغفرت کرنے والا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کی ابتدا اقراء کے لفظ سے کی گئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ کی مدد سے مسلمان طالبین علم کو تعلیمی سرمایہ خوب ملا اور طالب علم کی ہمت افزائی بھی فرمائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اسلام کا پہلا مدرسہ یعنی "صفہ" کی درس گاہ بنی، جس سے عالم اسلام کے تمام مدرسے اور جامعات کا سلسلہ ملتا ہے۔

علم کے اسلامی معنی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی ترغیب واہمیت میں یہ فرمایا کہ:

"ان الملائکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بما یطلب"

لیکن جس طرح ہر لفظ کو اس کے خاص دائرہ استعمال کے اندر رکھتے ہوئے متعین کیا جاتا ہے، مثلاً ایک کسان جب معلومات کا لفظ استعمال کرے گا تو اس کے دائرہ زراعت وزمین سے متعلق معلومات مانی جائیں گی۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں علم سے مراد وہ علم سمجھا جائے گا جو قرآن وحدیث کی راہ نمائی اور مدد سے حاصل ہوتا ہے۔ بکثرت مذہبی پیشواؤں، قومی راہ نماؤں، مربیوں اور معلموں نے تعلیم وتربیت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ قرآن وحدیث میں تو اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "بلغوا عنی ولو آیۃ" کہ میری طرف سے بات پہنچادو، خواہ وہ صرف ایک ہی آیت ہو۔

ہر معاشرہ میں تعلیم کی فکر ہوتی ہے: انسان نے اپنے سماج ومعاشرہ کی بقا اور تحسین وترقی کے لیے باقاعدہ تعلیم کے ذرائع تقریباً ہر زمانہ میں اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی صلاحیت علمی کے مطابق ان ذرائع کو مبہم وبے قاعدہ شکلوں سے، متعین اور باقاعدہ شکلوں میں منتقل کیا ہے اور اپنے تعلیمی عمل کو بہتر طریقہ سے انجام دے کر سماج کی زندگی کو ترقی دی ہے اور جن معاشروں اور سماجوں نے تعلیم کو بے توجہی کا شکار ہونے دیا، وہ خاطر خواہ اور نمایاں فائدہ اٹھانے اور ترقی و طاقت کی منزلوں سے قریب تر ہونے میں کام یاب نہ ہوسکے۔

موجودہ ترقی یافتہ یورپ وامریکہ کی ترقی وطاقت کی نشأۃ ثانیہ جب شروع ہوئی، جب اس نے علم کی طرف توجہ اختیار کی، یورپ نے علم وتعلیم کی سرپرستی اور توجہ مسلمانوں کے اندلسی تمدن سے لی۔ جس میں مسلمانوں کے اپنے علوم و تجربات کے ساتھ قدیم یورپ کے علوم وتجربات کا بھی ایک حصہ تھا، جس کو مسلمانوں نے اپنے دنیاوی علوم کا ایک جز بنایا اور ان سے استفادہ کیا تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے اخذ کئے ہوئے اصول ومعلومات کو بنیاد بنا کر، اس میں نئے تجربات کیے اور دنیاوی اور مادی علم وتعلیم کو آگے بڑھایا۔

حتی کہ موجودہ مادی دنیا کے استاد کا درجہ حاصل کرلیا۔ اور یہ افسوس ناک اتفاق ہے کہ یورپ کی ترقی کا زمانہ جو سولہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا مسلمانوں کی غفلت اور انحطاط کا زمانہ رہا، جس کی وجہ سے دنیا کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یورپ کی قوموں کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی۔ ورنہ موجودہ مغربی تمدن سے قبل مسلمانوں کا تمدن ہی وہ تمدن

تھا جس نے دنیا کے بیشتر آباد حصوں میں گہرا اثر ڈالا تھا اور مسلمان علمائے فلاسفہ نے اساتذہ وقت کا کردار انجام دیا تھا۔

مسلمانوں میں عمل تعلیم: مسلمانوں کے تعلیمی عمل کی ابتدا اسلام کی ابتدا کے ساتھ ہوئی ہے۔ ان کو قرآن مجید کی صورت میں معلم اعظم ملا تھا، جس نے نہ صرف ان کو بلکہ ساری انسانیت کو تہذیب وتمدن، علم وانسانیت کے صالح اور صحیح اصول بتائے اور ان پر عمل کرنے کی راہیں بھی تجویز کیں۔ پھر مسلمانوں نے قرآنی علم حاصل کرنے کے بعد دیگر قوموں کے حاصل کردہ معلومات اور ان کے علوم کا مطالعہ بھی کیا اور ان کے علمائے فلاسفہ کے خیالات کا جائزہ لیا اور ان سے حسب ضرورت فائدہ اٹھایا، پھر اس میں بیش قیمت اضافہ کیا، جس سے وہ نئی شکل میں ڈھل گئے۔ یورپ بعد میں بیدار ہوا، چناں چہ اس نے اپنے مغربی علم وتمدن کی بنیاد مسلمانوں کے علم وتمدن پر رکھی، کیوں کہ مسلمان ہی اس کے قریبی قابل تقلید پیش رو تھے۔ لیکن قومی ووطنی عصبیت کی وجہ سے اپنا رشتہ تاریخ قدیم کے مغربی تمدنوں سے جوڑا اور روح اور مزاج انہی سے اخذ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں قدیم رومی تہذیب اور یونانی فلسفے پر اپنی اخلاقی وتہذیبی زندگی کی بنیاد رکھی۔

یورپ سے استفادہ: مغربی علم سے استفادہ زندگی کے تجرباتی علوم میں ترقی اور کامیابی سے یورپ کو دنیاوی زندگی میں طاقت ملی اور اس کو مادی زندگی کے متعدد میدانوں میں غلبہ حاصل ہوا، اس کی وجہ سے دیگر قوموں کو جن میں مسلمان بھی ہیں ان علوم وتجربات اور کامیابیوں کا جائزہ لینے اور قابل استفادہ گوشوں میں استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی، خاص طور پر اس لیے کہ مسلمانوں کی آخری صدیاں انحطاط اور علمی جمود میں گزریں، جس کی وجہ سے ہم ایک طرف دین، اخلاق اور ان کی صفات اور اعلیٰ نظریات میں اپنے اسلاف کے علوم وتجربات سے فائدہ اٹھانے کے ضرورت مند ہیں تو دوسری طرف دنیاوی ترقی وتمدن کے لیے ان انکشافات وتحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت رکھتے ہیں جو ہمارے اسلاف کی کوششوں کے بعد ظہور میں آئیں اور جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اس طرح ہمارے سامنے قابل استفادہ دو دور ہیں، ایک ہمارے اسلاف کا اور ایک اغیار کا اور:

"الحکمة ضالة المؤمن اين وجدها فهو أحق بها"

کے اصول پر ہم کو سب سے فائدہ اٹھانا ہے، چناں چہ وسائل وطریقہائے تعلیم میں بھی جو مفید اور صالح اجزاء یورپ کے ماہرین علم تعلیم کے تجربے میں آئے ہیں ان سے بھی ہم کو فائدہ اٹھانا ہے۔

تعلیم اور اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے پر اثر: تعلیم کا زندگی سے گہرا تعلق ہے، دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کرتے ہیں۔ تعلیم کے طریقے اور مضامین انھیں ذہنوں کی پیداوار یا نتیجہ فکر ہوتے ہیں، جو معاشرہ کے مختلف طبقات سے ابھرتے ہیں اور اپنے اپنے خیالات، مزاج اور افکار سے علیحدہ نہیں ہو سکتے، وہ جو بھی نظام بناتے یا چلاتے ہیں اس میں ان کے اپنے ماحول سے اخذ کیے ہوئے احساسات و تصورات شعوری ولاشعوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس طرح پر ماحول میں طبقات کا غلبہ اور جن خیالات کا رواج ہوتا

ہے وہ شعوری ولاشعوری طور پر اس ماحول کے نظام کے مقاصد ومضامین تعلیم میں سرایت کرتے ہیں۔اسی طرح تعلیم بھی زندگی پر اثر ڈالتی ہے،اس کا اثر بھی زیادہ اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔

یوں تو باضابطہ تعلیم اگر چہ معاشرہ کے ایک خاص طبقہ کو دی جاتی ہے،یعنی کم عمر طبقہ اور بچوں کو،لیکن نتیجتاً وہ پورے معاشرہ پر محیط ہوجاتی ہے۔اس کی وضاحت اس طور پر کی جاسکتی ہے کہ ہم جس نسل کو تعلیم دیتے یا دلواتے ہیں یہ نسل زیادہ سے زیادہ ۲۰ رسال کی مدت میں معاشرہ میں اپنی کمزور ترین و بے اثر سطح سے نکل کر معاشرہ کی مؤثر ترین سطح پر آجاتی ہے۔ وہ سماج کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے،یعنی جوان طبقہ، جو سماج کی ہر قوت واہمیت کی ذمہ داری کا حامل بنتا ہے۔اکبرالہ آبادی نے اس لحاظ سے تعلیم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا:

وہ قتل سے بچوں کے یوں بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی اگر وہ بنی اسرائیل کے شیر خوار بچوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کی تعلیم کا بندوبست کر دیتا، جو قبطی اور فرعونی ذہن کے اساتذہ دیتے اور فرعونی ذہن کا نظام اور انتظام ہوتا اور مقاصد تعلیم بھی اس ذہن کے مطابق ہوتے تو پھر وہ بچے بڑے ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے بجائے فرعون کے مقاصد کے کام بن جاتے اور بغیر قتل کے نتیجہ قتل حاصل ہو جاتا۔ایک مثال: ہندوستان میں جب ہندی کا اجراء کیا گیا تو ہندی کی اس وقت کی حیثیت وحالت کو دیکھتے ہوئے لوگ مذاق اڑاتے تھے۔لیکن جب ۲۵-۳۰ رسال مسلسل اس کی تعلیم دی گئی،تو آج یہ نوبت آ گئی کہ وہ سماج کی اصل زبان بن گئی اور اب وہی ہندوستانی معاشرہ کی زبانِ اول ہے۔

اصول ومزاج سمجھنے کی ضرورت: اس بنیاد پر تعلیم ،نظام تعلیم ،نظریات تعلیم کی معاشرہ کی تربیت وتشکیل میں بڑی اہمیت ہے۔اسی سلسلہ میں معاشرہ کے مزاج اور طبقات کے لحاظ سے تعلیم کی تفصیل کو اور اس سلسلہ میں سابق اہل علم کے تجربات وخیالات ومعلومات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔تعلیم کے سلسلہ میں ہم کو اولاً باضابطہ تعلیم یعنی مدرسہ کے کام اور مقام کو اور اس کے اجزائے ترکیبی،یعنی طلباء اور مواد تعلیم ، نیز نظریات تعلیم کے جاننے کی ضرورت ہے اور معاشرہ کے سلسلے میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ گھریلو زندگی کا تعلیمی کام کے سلسلہ میں کیا درجہ ومقام ہے، پھر مذہبی ذرائع کا تعلیمی لحاظ سے کیا اثر ہوتا اور ہوسکتا ہے۔

مقاصد تعلیم میں بھی متعدد پہلو آتے ہیں،مثلاً قومی ، جمہوری ، اخلاقی اور مقاصد حکومت وسیاست، ذرائع نشر و اشاعت کی ترقی سے پیدا ہونے والے اثرات وفوائد، نیز دیگر ذرائع ومقاصد تعلیم قابل مطالعہ واستفادہ ہیں۔نیز یہ بھی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تعلیم وتربیت میں مخاطبین کا ذوق ومزاج،ان کی نفسیات اور شعوری کیفیات کیا ہوتی ہیں یا ہو سکتی ہیں اور ان کا تعلیمی کام پر کتنا اور کیا اثر پڑتا اور پڑسکتا ہے۔

مسلمانوں کی بدحالی کا مجرم کون؟

معصوم مرادآبادی

مسلمانوں کے تعلق سے ملک کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو وہ کئی اعتبار سے بہت پریشان کن ہیں۔ یوں تو آزادی کے بعد سے ہی یہ تکلیف دہ سلسلہ جاری ہے اور اس کا سبب ملک کی تقسیم کا المناک واقعہ ہے۔ فرقہ وارانہ منافرت، خونیں فسادات اور منفی پروپیگنڈے نے انھیں حرف غلط بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ فرقہ پرست اور فسطائی طاقتیں انھیں دیوار سے لگانے میں مسلسل مصروف رہی ہیں، لیکن ان حالات سے لڑنے کے لیے مسلمانوں کو جس حکمت سے کام لینا چاہئے تھا، وہ نہیں لیا گیا۔ اس عرصے میں مسلم قیادت نے بھی انھیں محض جذباتی مسائل میں الجھا کر مخالفین کے ایجنڈے کو دانستہ یا نادانستہ طور پر پورا کیا۔ اس عرصے میں مسلمانوں کی عملی قوت کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔

اس کی ذمہ داری اس مسلم قیادت پر زیادہ عائد ہوتی ہے جس نے صالح قیادت کا کردار ادا کرنے کی بجائے مسلمانوں کو ایک سیاسی ریوڑ کی طرح اپنے حقیر مفادات کے لیے استعمال کیا۔ مسلمانوں میں سیاسی اور سماجی شعور کے فقدان نے ایک ایسی صورتحال کو جنم دیا ہے، جس کا کوئی مداوا نظر نہیں آتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی بھنور میں پھنس گئے ہیں۔ ملک کی آزادی میں بے مثال اور سرفروشانہ خدمات انجام دینے کے باوجود آج ملک میں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وہ بیگانوں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ سیکولر پارٹیاں جنھیں مسلمانوں نے اپنا مسیحا سمجھا تھا، انھیں منجھدار میں چھوڑ دیا ہے۔ ان کا ووٹ حاصل کرنے کے باوجود ان کی بدحالی دور کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

آنجہانی اندرا گاندھی کے دور میں 'وزیر اعظم کے پندرہ نکاتی پروگرام' کی بہت دھوم تھی، جو اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لیے وضع کیا گیا تھا اور ریاستوں کو اس کے نفاذ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، لیکن اس کا نتیجہ صفر ہی رہا۔ البتہ ڈاکٹر منموہن سنگھ کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں سچر کمیٹی بنائی گئی، جس نے ملک گیر سطح پر مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی بدحالی کا جائزہ لے کر بڑی دردناک تصویر پیش کی۔ اس کمیٹی کی کوکھ سے ملک میں پہلی بار اقلیتی امور کی مرکزی وزارت وجود میں آئی، جس نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور فنی استعداد کو فروغ دینے کے لیے کچھ عملی اقدامات کئے، لیکن مودی سرکار آنے کے بعد اس وزارت کے بال و پر کتر دیئے گئے اور اس کا وزیر بھی ایک غیر مسلم کو بنا دیا گیا۔

موجودہ حکومت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ نہ ہی اس حکومت کو مسلمانوں سے کوئی سروکار ہے۔ وہ مسلم مسائل پر گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتی کیونکہ اس کے نزدیک یہ 'ناز برداری' ہے۔ آج مسلمان دوہرائے پر کھڑے ہیں۔ نہ تو ان کے پاس کوئی مضبوط قیادت ہے اور نہ ہی مستقبل کی کوئی منصوبہ بندی۔ جو کچھ ٹوٹی

پھوٹی قیادت تھی، اسے دارو گیر کے مراحل سے دوچار کر کے عضو معطل بنا دیا گیا ہے۔ حکومت صرف ہندوراشٹر کے منصوبے میں رنگ بھرنے میں لگی ہوئی ہے۔

گزشتہ دس برسوں میں صورتحال بہت سنگین ہوگئی ہے۔ اس حکومت نے مسلمانوں کو اجنبی بنانے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ ان کے پرسنل لاء پر حملہ کر کے یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کی جاری ہیں۔ مسلمانوں کی شدید مخالفت کے باوجود طلاق ثلاثہ کو قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ مذہب کی تبلیغ جس کی اجازت ملک کا آئین بھی دیتا ہے، اس پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں اور جو لوگ اس کام میں مصروف تھے، انھیں سنگین دفعات کے تحت جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ 'لو جہاد' کی نام نہاد اصطلاح وضع کر کے بین المذاہب شادیوں پر پابندی لگادی گئی ہے۔ کھربوں روپوں کے اوقاف کا تیاپانچہ کرنے کے لیے وقف ایکٹ میں ترمیم کی جارہی ہے۔ اوقاف کو 'زمین مافیا' کہا جارہا ہے۔ سب سے خطرناک حملے مسجدوں اور درگاہوں پر ہورہے ہیں۔ ہر عالیشان تاریخی مسجد کے نیچے ایک مندر ہونے کا دعویٰ کیا جارہا ہے۔ ملک کی عدلیہ اس کام میں معاون کا کردار ادا کررہی ہے۔

غرضیکہ ان حالات پر نظر ڈالئے تو خوف و ہراس کے سوا کچھ پیدا نہیں ہو، تاہم حقیقت یہ بھی ہے کہ حالات چاہے کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، ان کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہئے۔ مایوسی کفر ہے اور ناامیدی گناہ۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مخالفین کی سازشوں اور منافقین کی یورشوں کے باوجود مسلمان اپنی دنیا میں مست ہے۔ صرف چند لوگ ہیں جو حالات کی کلائی مروڑنے کی سعی ناکام کرتے رہتے ہیں، مگر موجودہ ماحول میں عام مسلمانوں کے اندر جو بیداری نظر آنی چاہئے، اس کی بے حد کمی محسوس ہوتی ہے۔

کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمان اپنی صفوں کو درست کریں؟ یہاں سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ آخر مسلمان کریں تو کیا کریں اور وہ مسلمان امت واحدہ اور صالحہ کیسے بنیں؟ اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مسلمان اپنے کردار کو درست کریں۔ ان کے اندر اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے کی کمی سب سے زیادہ ہے۔ جھوٹ فریب، بے ایمانی اور بدمعاملگی ان کی پہچان بن گئی ہے۔ وہ مسلمان جو کسی زمانے میں سچائی اور ایمانداری کا پیکر کہلاتے تھے، بے ایمانی، جھوٹ، فریب اور سودخوری جیسے گناہوں میں ڈوب گئے ہیں۔ اسلامی وضع قطع اختیار کرنے والے لوگوں کے معاملات بھی درست نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نصرت الٰہی سے محروم ہیں۔ ان کی عبادتیں اور دعائیں رائیگاں جارہی ہیں۔

سب سے زیادہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے کردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں۔ دوسرے ان کے اندر جو فروعی اختلافات ہیں انھیں دور کیا جائے۔ علمائے کرام کی جو توانائی مسلکی تنازعات میں صرف ہوتی ہے، وہ مسلمانوں کو تعلیم یافتہ اور باشعور بنانے میں صرف کی جائے۔ ذات پات کے نظام اور عصبیت کو ختم کر کے سب کو ایک ڈوری میں پرویا جائے۔ مسلمانوں میں تعلیم کا زبردست فقدان ہے۔ اس کے ساتھ مسلم آبادیوں میں طبی سہولتوں کی بہت کمی ہے۔ متمول

مسلمان اپنی دولت شادیوں اور مکانوں کی تعمیر پر خرچ کرنے کی بجائے تعلیمی ادارے قائم کرنے ز اور مسلم علاقوں میں نرسنگ ہوم کھولنے پر خرچ کریں۔ یہ کام پیشہ ورانہ بنیادوں پر بھی کیا جاسکتا ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین نے حیدرآباد میں اعلیٰ تعلیم کے اداروں اور بہترین اسپتالوں کا جو جال پھیلایا ہے، اس سے وہاں کے لوگ بہت استفادہ کررہے ہیں۔ برادرم اسدالدین اویسی نے ایک روز حیدرآباد میں مجھے ان اداروں کا نظارہ کرایا تو میں حیرت زدہ رہ گیا۔ کاش شمالی ہند کے مسلمان بھی اس کی پیروی کرسکتے۔ شمالی ہند میں جماعت اسلامی نے دہلی کے اوکھلا علاقہ میں الشفاء اسپتال قائم کرکے ایک اچھی پہل کی ہے۔ ایسے مزید اسپتال کھولنے چاہئیں۔ مسلم خواتین بچوں کی پیدائش کے دوران سرکاری اسپتالوں میں جن رسوائیوں سے دوچار ہوتی ہیں، ان کا ازالہ اپنے میٹرنٹی ہوم کھول کر کیا جاسکتا ہے۔

اپنے بچوں کی تربیت پر خاص دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ وہ کس قسم کے ماحول میں رہتے ہیں اور ان کا رابطہ کن ہم جولیوں کے ساتھ ہے۔ مسلم علاقوں میں گالی گفتاری کا ماحول عام ہوتا ہے، جس کا بہت برا اثر ذہنی اور شعوری تربیت پر پڑتا ہے۔ رات گئے تک نوجوان لڑکے خواہ مخواہ سڑکوں پر مٹر گشتی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آوارگی بہت سے مسائل کو جنم دیتی ہے۔ اس سے حتی المقدور اپنے بچوں کو محفوظ رکھیں۔

ایک بڑا مسئلہ مسلم دانشوروں کے درمیان تال میل قایم کرنے کا بھی ہے۔ ان کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ علمائے کرام کو چاہئے کہ اختلافی موضوعات کی بجائے ان موضوعات پر گفتگو کریں جس سے اتحاد بین المسلمین کا تصور عام ہو۔ ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی روش ترک کردینی چاہئے، کون جنت میں جائے گا، کون دوزخ کا ایندھن بنے گا، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کو کرنے دیں کہ یہ اسی کا اختیار ہے۔ ان امور پر عمل پیرا ہوکر ہی امت واحدہ اور امت صالحہ کا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں و فحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

تصوف کی حقیقت

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ
سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

احسان یا بالفاظ متعارف تصوف کیا ہے؟ انسانی روح کا اپنے مطلوبِ حقیقی سے ملنے کا شدید اشتیاق؟ تصوف کیا ہے؟ اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال، شریعت اسلامی اس کی اساس اور قرآن وحدیث اس کا سرچشمہ، چناں چہ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی کا بڑے واضح الفاظ میں اعلان ہے کہ: "ایں راہ کسے یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بردست چپ ودر روشنائی ایں دوشمع می رود تانہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔" اس راہ کو وہی پاسکتا ہے جو کتاب اللہ کو داہنے ہاتھ میں اور سنت رسول کو بائیں ہاتھ میں لیے ہو اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راہِ سلوک طے کرے تاکہ گمراہی اور بدعت کی تاریکی میں نہ گرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری جو متقدمین صوفیاء میں امتیازی مقام ومرتبہ کے حامل تھے فرماتے ہیں:

"اصولنا سبعة اشياء التمسک بكتاب الله والاقتداء بسنة رسول الله ﷺ واكل الحلال وكف الاذى واجتناب المعاصي والتوبة واداء الحقوق"۔ (التاج المكلل)

(ہمارے سات اصول ہیں کتاب اللہ پر مکمل عمل، سنت رسول ﷺ کی پیروی، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دینا، گناہوں سے بچنا، توبہ واستغفار، اور حقوق کی ادائیگی۔)

سلطان الہند شیخ معین الدین اجمیریؒ کا یہ مقولہ تاریخ اجمیر میں درج ہے۔ "اے لوگو تم میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کرے گا وہ شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہے گا۔"

حضرت میر سید اشرف سمنانی مدفون کچھوچھا ضلع فیض آباد فرماتے ہیں: "یکے از ہم شرائط ولی است کہ تابع رسول علیہ السلام قولاً وفعلاً واعتقاداً بود (الطائف اشرفی) ولی کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قول، فعل اور اعتقاد میں پیرو ہو۔"

تصوف دراصل وہ رہنما ہے جو سالک کو ہر آن باخبر رکھتا ہے کہ دیکھنا کہیں مقصود نگاہ سے اوجھل نہ ہوجائے وہ ہدایت کرتا ہے کہ جب تو بارگاہِ خداوندی میں نماز کے لیے کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ قبلہ رو ہے یا نہیں، جائے نماز اور کپڑے پاک ہیں یا نہیں، تو اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھ کہ تیرا تصور پاک ہے یا نہیں، دل مالک کائنات کی طرف ہے یا نہیں، غرض تصوف ہر

ہر قدم پر سالک کو خبردار رکھتا ہے کہ مقصود اصلی خدائے ذوالجلال والاکرام کے خیال سے دل غافل نہ ہونے پائے۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ کے تلامذہ نے ان سے سوال کیا کہ آپ بشر حافیؒ کے پاس کیوں جاتے ہیں وہ تو عالم ومحدث نہیں ہیں؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ سے واقف ہوں، مگر بشر اللہ سے واقف ہیں۔ عارف ہندی اکبرالہ آبادی مرحوم نے بہت خوب کہا ہے۔ قرآن رہے پیش نظر، یہ ہے شریعت، اللہ رہے پیش نظر، یہ ہے طریقت۔ اس حقیقت کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ فقیہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ، اے بندے اللہ کا نام لے، اور صوفی بھی یہی کہتا ہے کہ اللہ کا نام لے، مگر اس طرح کہ وہ تیرے دل میں اتر جائے، یعنی صوفی کا کہنا یہ ہے کہ صرف زبان سے اللہ کا نام لینا کافی نہیں ہے، زبان کے ساتھ تیرا دل بھی ذاکر ہونا چاہیے، حاصل کلام یہ نکلا کہ تصوف یا احسان دل کی نگہبانی کا اصطلاحی نام ہے۔

حدیث جبرئیل میں "**ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانّہ یراک**" کا جملہ اسی دل کی نگہبانی کی انتہائی بلیغ اور پیغمبرانہ تعبیر ہے، امام العرفاء سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر جملے سے احسان یا تصوف کی پوری حقیقت بیان فرمادی ہے کیوں کہ راہِ تصوف کے تمام جہد وعمل، ذکر وفکر، محاسبہ ومراقبہ وغیرہ کا منشاء ومقصد یہی ہے کہ دل مشاہدہ وحضور کی متاعِ عزیز سے ہم کنار ہوجائے۔

تصوف کی مستند کتابوں مثلاً قوت القلوب از شیخ ابوطالب مکی، طبقات الصوفیہ از شیخ عبدالرحمن سلمی، حلیۃ الاولیا از ابونعیم اصفہانی، الرسالۃ القشیریۃ از امام قشیری، کشف المحجوب از شیخ علی بن عثمان ہجویری مدفون لاہور، تذکرۃ الاولیاء از شیخ فرید الدین عطار، عوارف المعارف از شیخ سہروردی، فوائد الفواد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء، خیر المجالس ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی وغیرہ کے صفحے کے صفحے الٹ جایئے، صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملاً بھی کتاب وسنت کی تلقین ملے گی، اور معتمد طور پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ اکابر صوفیاء کے مجاہدات، ریاضات اور مراقبات کی اساس وبنیاد قرآن وحدیث کی تعلیمات ہی ہیں، اور ان کی پاکیزہ زندگیاں اسلام کی جیتی جاگتی تصویریں تھیں۔

اسلامی تعلیمات میں محبت الٰہی، مکارم اخلاق اور خدمت خلق کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، تصوف کی تعلیمات بھی انھیں ارکانِ ثلثہ پر مبنی ہیں، تاریخی شواہد کی بنیاد پر بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات صوفیاء ہی نے اپنی عملی جدوجہد کے ذریعہ ہر زمانے میں اسلام کے اخلاقی وروحانی نظام کو زندہ رکھا، صوفیاء سے بڑھ کر تبلیغ اور تعمیرِ سیرت کا فریضہ کسی جماعت نے انجام نہیں دیا، متکلمین، معتزلہ اور حکماء نے صرف دماغ کی آبیاری کی جب کہ صوفیاء نے دماغ کے ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کی اہم ترین خدمت بھی انجام دی۔

اور یہ بات کسی بیان وتشریح کی محتاج نہیں ہے کہ اسلام میں اصلی چیز دل ہے نہ کہ دماغ، اگر دل فاسد ہوجائے تو دماغ کا فاسد ہوجانا یقینی ہے، چناں چہ نبی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صَلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب**" انسان کے جسم میں ایک عضو ہے اگر

وہ صالح ہوجائے تو سارا جسم صالح ہوجائے اور اگر وہ فاسد ہوجائے تو سارا جسم فاسد ہوجائے، آگاہ ہوجاؤ وہ قلب ہے۔

حضرات علمائے کرام نے علمی ونظری دلائل سے اسلام کی حقانیت کو واضح کیا جب کہ حضرات صوفیاء نے اپنے اعمال واخلاق اور سیرت وکردار سے اسلام کی صداقت کو مبرہن اور آشکارا کیا، اس لیے تصوف یا طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صحیح معنوں میں تصوف اسلام کا عطر اور اس کی روح ہے۔

لیکن کوئی انسانی تحریک خواہ وہ کتنی اچھی کیوں نہ ہو جب افراط وتفریط عمل وردعمل کا بازیچہ بنتی ہے تو اس کی شکل مسخ ہوئے بغیر نہیں رہتی، چناں چہ متکلمین نے اسلام کو یونانی فلسفہ کی زد سے بچانے میں بڑی قابلِ قدر خدمت انجام دی ہیں، لیکن آگے چل کر جب علم کلام کو شکوک وشبہات پیدا کرنے کا ذریعہ بنالیا گیا، تو یہی علم کلام مسلمانوں میں ذہنی انتشار برپا کرنے کا سبب بن گیا۔

یہی حال تصوف کا بھی ہوا کہ تصوف کی ہمہ گیر مقبولیت اور ہر دلعزیزی دیکھ کر جاہل یا نقلی ارباب غرض صوفیوں کے بھیس میں اس جماعت صوفیہ صافیہ میں درآئے اور اپنی مقصد برآری کے لیے شریعت وطریقت میں تفریق کا نظریہ شائع کردیا، مجاز پرستی، قبر پرستی، نغمہ وسرود کو روحانی ترقی کا لازمی جزو بنادیا اور دنیا پرستی سے گریز کو رہبانیت کی شکل دیدی۔ مگر ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محققین صوفیا نے ہمیشہ ان گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے، اور ان فاسد عناصر کو تصوف سے خارج کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔

اس جعلی اور غیر اسلامی تصوف کی بنا پر سرے ہی سے تصوف کا انکار کردیا جائے اور اسے نوع انسانی کے لیے بمنزلۂ افیون بتایا جائے اور الزام عائد کیا جائے کہ تصوف زندگی کے حقائق سے گریز کی تعلیم دیتا ہے اور اس نے مسلمانوں کے قوائے عمل کو مضمحل یا مردہ بنادیا ہے تو یہ سراسر ناانصافی اور اسلامی تصوف پر ظلم ہوگا۔

بدقسمتی سے خود مسلمانوں کا ایک طبقہ جو براہ راست اسلام اور اسلامی مآثر کا مطالعہ کرنے کی بجائے مستشرقین اور عیسائی مصنّفین کے واسطہ اور انھیں کی مستعار عینک سے اسلامی علوم ومعارف کو دیکھنے کا عادی ہے، اسلامی تصوف پر اسی قسم کے بیجا اور غلط اعتراضات کرتا رہتا ہے، یہ بات حق وصداقت اور انصاف وعدالت سے کس قدر بعید ہے کہ ہدفِ ملامت تو بنایا جائے اسلامی تصوف کو اور قبائح مدنظر رکھی جائیں غیر اسلامی تصوف کی، اسلام کے ان نادان دوستوں نے اپنے اس رویہ سے نہ صرف علم وتحقیق کا خون کیا بلکہ لاکھوں بندگانِ خدا کو تصوف کی حسنات وبرکات سے محروم کردیا۔ فالی اللہ المشتکی

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی پوزیشن

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی/ دبئ

ایک وقت تھا جب آدھی سے زیادہ دنیا پر مسلمانوں کی حکومت تھی، انہوں نے اپنے عمل (علم وصنعت اور اخلاق) سے دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں صرف ملکی فتوحات ہی حاصل نہیں کیں، بلکہ ایسی ایجادات پیش کیں جنہیں آج بھی کسی نہ کسی صورت میں دنیا برت رہی ہے۔ خلافتِ عباسیہ میں بغداد علم ونور کا مینار تھا، یہاں مامون رشید نے ''بیت الحکمت'' کی صورت میں ایک ایسا ادارہ (اصل میں تو کتب خانہ تھا، لیکن اس میں جو کام ہوا وہ اداروں سے بڑھ کر ہوا) قائم کیا جس میں بیک وقت کتابوں کے ترجمے، تحقیقی اور سائنسی ایجادات سے متعلق کام ہوا کرتے تھے، بغداد اس زمانے میں دنیا بھر کے لوگوں کے لئے علم ودانش کا مرجع تھا، آج جیسے لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے فخر کے ساتھ یورپ جانا پسند کرتے ہیں، بالکل اسی طرح اس دور میں یہی حیثیت بغداد کی تھی۔ اسی طرح سمرقند وبخارا بھی ایک وقت میں مسلمانوں کے علم وادب کے مرکز کے طور پر جانے جاتے تھے۔

اپنے دورِ زریں میں مسلمانوں نے سائنس کی دنیا میں نہ صرف انقلاب برپا کیا بلکہ لوگوں کے لئے سوچ کا ایک نیا زاویہ فراہم کیا، مثلاً ابوالقاسم خلف بن عباس الزاہراوی (متوفی 1013ھ) مسلم سائنس داں نے دنیا کو پہلی بار اس بات سے متعارف کرایا کہ علاج کے لئے انسانی جسم کی سرجری کی جاسکتی ہے، اس حوالے سے ان کی مشہور تصنیف ''**التصریف لمن عجز عن التالیف**'' کے کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے اور ایک عرصے تک ان کی کتاب بہت سے ممالک کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ اسی طرح الخوارزمی (متوفی 850ھ) جنہیں ''الجبرا'' کا بانی کہا جاتا ہے، بیت الحکمت سے منسلک ایک معروف اسکالر تھے، یہ بھی خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں بیت الحکمت میں کام کرتے تھے۔ جابر بن حیان (متوفی 815ھ): جنھیں پہلا ''کیمیا'' دان کہا جاتا ہے۔ اہلِ مغرب انہیں کے نام سے جانتے ہیں، اُن کی مشہور کتاب ''الکیمیا'' کا لاطینی زبان سمیت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں نے جو اہم ایجادات کیں ان میں گھڑی، علمِ فلکیات وارضیات، کیمرہ، نزولِ چھتری (پیراشوٹ)، دوربین اور دوسری اشیاء بھی شامل ہیں۔

یہ سب ایجادات اگرچہ مسلمانوں کی ہیں اور ہمیں اس پر فخر بھی کرنا چاہئے، لیکن آخر کب تک؟ سوال یہ ہے کہ اس وقت مسلمان، دنیا میں تقریباً دوارب ہیں، ان کا بنی نوع انسانوں کے لئے کیا کردار ہے؟ انھوں نے عصرِ حاضر میں کیا کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو؟ جواب ہوگا نہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ غیر مسلموں کو ''حتمی جہنمی'' کہنے کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری طرف مغرب، جس نے ماضی میں کی گئی اپنی غلطیوں سے سبق

سیکھا اور آج علوم وفنون کی دنیا میں مستقل آگے جارہا ہے، وہاں سے ہر روز نت نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ایک طرف مغرب تحقیق کے کاموں میں مصروف ہے تو دوسری طرف ہم ابھی تک ماضی (کے کارناموں) کی مثالیں دیتے اور خوش ہوتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ حق ہے کہ ہم سائنس وٹیکنالوجی کی دنیا میں ہم اہلِ مغرب سے کم از کم سو سال پیچھے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ آخر وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم مسلسل پستی کی جانب گامزن ہیں، انھیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔

سیاسی اختلافات: تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنی بھی حکومتیں قائم ہوئیں (اموی، عباسی، فاطمی اور دوسری حکومتیں) ان سب کو ختم کرنے میں کسی غیر نے نہیں، بلکہ اپنوں ہی نے دھوکہ دیا ہے۔یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

مذہبی اختلافات: سب سے اہم مسئلہ اس امت کا یہی ہے کہ ہم مخالف مسلک کو مسلمان (سب جگہ ایسا نہیں ہے، لیکن اکثر ایسا ہی ہے) ہی نہیں مانتے، جس کی وجہ سے مسائل مستقل بگڑتے چلے جارہے ہیں اور ہم کمزور ہوتے چلے جارہے ہیں۔

تعلیمی اختلافات: ابھی تک مسلم دنیا کوئی ایک ایسا تعلیمی نظام متعارف نہیں کرا سکی جہاں دینی ودنیاوی تعلیم ایک ساتھ ہو سکے۔(ماضی میں کسی مسلم شخصیت کے بارے میں پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین کا عالم ہونے کے ساتھ عصری علوم میں بھی مہارت رکھتا تھا)۔

تحقیق سے دوری: تحقیق ہر روز علم کے نت نئے دروازے کھولتی ہے، ہمارے یہاں تحقیق ماضی میں کئے گئے کاموں پر ہو رہی ہے، کوئی ایسا نیا کام نظر نہیں آرہا، جس پر یہ کہا جا سکے کہ واقعی یہ مفید کام اور معیاری تحقیق ہے۔

تجاویز:

سیاسی اتحاد: سیاسی اختلافات کئے جانے چاہئیں، لیکن یہ اختلافات مثبت تنقید کی صورت میں ہوں تو بہتر ہے، اس سے مسلم دنیا نہ صرف قریب آئے گی بلکہ آگے بھی بڑھے گی۔

مذہبی اختلاف کے بجائے مذہبی مودت: مذہبی اختلافات کی اصطلاح کو اگر ''مذہبی مودت'' کر لیا جائے تو جو اتحادِ ملت قائم ہوگا وہ شاید دنیا کے لئے کسی کامیابی سے کم نہ ہوگا۔

ایک تعلیمی نظام: مسلم دنیا کو چاہئے کہ ایک ایسا تعلیمی نظام متعارف کرائے جہاں مضبوط دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔

بیت الحکمت کی طرز پر ادارے کا قیام: بیت الحکمت کی طرز پر ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جس میں سائنسی علوم پر تحقیق کی جائے۔نئی سوچ رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

تحقیقی کام کرنے والوں کو فکرِ معاش سے آزاد کیا جائے: انسان کا پیٹ ساتھ لگا ہے، معاشی سکون حاصل ہونے کے بعد انسان کی سوچ میں وسعت آتی ہے، لیکن اگر اس کی سوچ دن بھر یہی رہے کہ میں کماؤں گا کیسے؟ میرے

بچوں کی کفالت کون کرے گا؟ وغیرہ، تو اس صورت میں اس کی سوچ صرف پیٹ تک محدود رہے گی، تحقیقی کام کرنے والوں کو معاش کی فکر سے آزاد کیا جائے تا کہ وہ کھل کر اپنے کام میں منہمک ہوسکیں۔ آج امتِ مسلمہ اپنے وسائل کو مختلف چیزوں پر استعمال کر رہی ہے اور یہ تجارت کے لئے بہت اچھا بھی ہے، لیکن ساتھ ہی اگر ان وسائل کا بڑا حصہ تعلیم پر خرچ کرے گی تو تجارت خود بخود بہتر ہوتی چلی جائے گی۔

مسلم دنیا کو اس وقت صرف ایک ہو کر چلنا ہے، اگر یہ ایک ہو گئے تو دنیا میں نیا انقلاب برپا ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ سے ناامید بالکل نہیں، لیکن ہم اسی امید میں ہیں کہ کوئی تو آئے گا جو سیاسی، مذہبی اور مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مسلم دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے کوئی اقدام کرے گا، یہ امید لگانے کے بجائے اصلاح کا عمل خود انفرادی طور پر شروع کر دینا چاہئے۔

ملت اسلامیہ کو درپیش متعدد چیلنجز درپیش ہیں، آج صورت حال یہ ہے کہ ہر طرف چیلنج ہی چیلنج ہیں، سیاست، معیشت، معاشرت، تعلیم، تہذیب وثقافت، سائنس، ٹیکنالوجی، اخلاقیات اور فکر وفلسفہ کے میدانوں میں مسلمانوں کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے، ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت ''بے خبری کا بحران'' ہے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت آج کے عالمی حالات اور ماحول دونوں سے بے خبر ہے، ہمیں نہ دنیا کے جغرافیے کا علم ہے اور نہ تاریخ کا، ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ آج کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے، کون کیا کر رہا ہے، کیسے کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟ افراد کی بات نہیں کرتا، دو چار فیصد حضرات ضرور اس سے مستثنیٰ ہوں گے، لیکن مجموعی صورت حال یہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج ہم جس جنگ اور کشمکش سے دوچار ہیں، اسے آپ جنگ سے تعبیر کر لیں یا کھیل سمجھ لیں، لیکن یہ بات طے ہے کہ جنگ اور کھیل دونوں کے کچھ اصول ہوتے ہیں، کچھ قواعد ہوتے ہیں، کچھ طے شدہ طریقے ہوتے ہیں اور کچھ ہتھیار اور آلات ہوتے ہیں، جو حالات کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور جن کی پابندی جنگ اور کھیل کے دونوں فریقوں کے لئے لازمی سمجھی جاتی ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم فکر وفلسفہ، تہذیب وثقافت، تعلیم وتربیت اور دعوت وابلاغ کے محاذوں پر آج کے طریقہ جنگ سے شناسائی ہی نہیں رکھتے، قواعد اور طریقہ کار کی ہمیں کچھ خبر نہیں ہے، آج کے ہتھیاروں اور آلات سے ہمیں آگاہی حاصل نہیں ہے اور دشمن کی قوت کار، دائرۂ عمل، طریق جنگ اور ہتھیاروں کی نوعیت سے ہم اکثر وبیشتر بے خبر ہوتے ہیں، یہ بالکل درست ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے، اسے بے خبری کا بحران کہہ لیں، ادراک واحساس کے فقدان سے تعبیر کر لیں یا رابطے کے خلا (Communication gap) کا عنوان دے لیں، مگر یہ بحران موجود ہے، اور میرے نزدیک آج کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ اس بحران سے نجات حاصل کریں، بے خبری کے اس خلا کو پر کریں اور فکر وعقیدہ اور تہذیب و ثقافت کی یہ جنگ جذباتی اور سطحی نعروں کے ذریعے سے نہیں بلکہ ادراک واحساس، فہم ودانش اور شعور وباخبری کے ہتھیاروں کے ساتھ لڑی جاسکے گی۔

ایک اور چیلنج اور بحران کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ عقیدہ وثقافت کے ساتھ بے لچک کمٹمنٹ اور اس کے مطابق معاشرتی ماحول کا تحفظ ضروری ہے، اس بارے میں چوکنا رہنا ہوگا اور اپنے عقیدہ وثقافت اور عملی و دینی ماحول کو بچانے کے لئے خوداعتمادی، خودداری، حوصلہ، دینی حمیت اور ایثار وقربانی کے ساتھ اس خطرناک چیلنج کا سامنا کرنا ہوگا، خدا کرے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نباہ سکیں، اس لئے کہ یہ قوم تمام دنیا کی رہنمائی کے لئے منتخب ہوئی ہے، اور خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دی گئی ہے، اس کا یہ امتیاز ہے کہ داعی ہے اور خدا سے ملانے کے لئے برپا ہوئی ہے، تمام دنیا کو امن وسکون فراہم کرنا اس کا شیوہ ہے، اس جہان میں زندگی گزار کر اللہ کے حضور کامیابی کا ہنر بتانا اس امت مسلمہ کی امتیازی شان ہے۔

امتِ محمدیہ کا امتیاز: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں: امتِ اسلامیہ آخری دینی پیغام کی حامل ہے اور یہ پیغام اس کے تمام اعمال اور حرکات وسکنات پر حاوی ہے، اس کا منصب قیادت و رہنمائی اور دنیا کی نگرانی و احتساب کا منصب ہے، قرآن مجید نے بہت قوت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے: ''كنتم خير أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله۔'' (آل عمران ۱۱۰) ''(اے پیروانِ دعوتِ ایمان) تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو، جو لوگوں (کی رہنمائی واصلاح) کے لئے ظہور میں آئی ہے، تم نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے، اور اللہ پر سچا ایمان رکھنے والے ہو''۔ دوسری جگہ کہا گیا ہے: ''وكذالك جعلنا كم امة وسطًا لتكونوا شهداء على الناس۔'' (البقرہ ۱۴۳) ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو''۔

اس لئے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس امت کی جگہ قافلہ کے پیچھے اور شاگردوں اور حاشیہ برداروں کی صف میں ہو، اور وہ دوسری اقوام کے سہارے زندہ رہے، اور قیادت و رہنمائی، امر ونہی اور ذہنی وفکری آزادی کے بجائے تقلید اور نقل، اطاعت وسپر اندازی پر راضی اور مطمئن ہو، اس کے صحیح موقف کی مثال اس شریف، قوی الارادہ اور آزاد ضمیر شخص سے دی جاسکتی ہے، جو ضرورت واحتیاج کے وقت دوسروں سے اپنے ارادہ واختیار سے وہ چیزیں قبول کرتا ہے جو اس کے حالات کے مطابق ہوں اور اس کی شخصیت اور خوداعتمادی کو مجروح نہ کرتی ہوں، اور ان چیزوں کو مسترد کردیتا ہے، جو اس کی شخصیت اور حیثیت کے مطابق نہ ہوں یا اس کو کمزور کرتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس قوم کو کسی دوسری قوم کے شعائر اور امتیازات اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش)

دنیا کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے کرنے کا اہم ترین کام یہ بھی ہے کہ وہ اسلام کی دعوت لے کر اٹھیں، علمی وعملی طور پر اس کے نظریہ وفکر کو پیش کریں، اس طرح وہ خدا کی رحمتوں کا سب سے زیادہ حصہ پانے کے حقدار ٹھہریں گے۔ یہی وہ کام ہے جس پر ان کی دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات وابستہ ہے۔

****

غلطیوں کو شخصیت پر غالب نہ آنے دیں

خلیل الرحمٰن قاسمی برنی

صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص، جسے عبداللہ کہا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ کے دور میں بار بار شراب پینے کی وجہ سے پکڑا جاتا تھا۔ اسے حد (شرعی سزا) دی جاتی، لیکن پھر وہ دوبارہ یہی عمل کرتا۔ ایک بار جب اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لایا گیا، تو ایک صحابی نے کہا: ''اللّٰهُمَّ الْعَنْهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ!'' (یا اللہ! اس پر لعنت بھیج، یہ بار بار یہی عمل کرتا ہے!) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ'' (اس پر لعنت نہ کرو، کیونکہ خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔) یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے رحم و شفقت اور حکمت و دور اندیشی کی عظیم مثال ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے گناہوں کو ان کی پوری شخصیت پر غالب آنے نہیں دیا، ہر موقع پر لوگوں کی عزت نفس اور ناموس کا پورا پورا لحاظ فرمایا۔ اور ان کی نیکیوں کو بھی مدنظر رکھا۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ کسی کے گناہ پر فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے ایمان اور نیکیوں کو یاد رکھنا چاہیے، اور اصلاح کی نیت سے برتاؤ کرنا چاہیے۔ (صحیح بخاری، کتاب الحدود، حدیث نمبر: 6780)

رسول اللہ ﷺ کے ایک مخلص بدری صحابی حضرت حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ایک خطا سرزد ہو گئی تھی۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف ایک ایسا عمل وجود میں آ گیا تھا جس سے تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا بے حد اندیشہ تھا۔ تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔ آپ یمن کے رہنے والے تھے، مکہ میں آپ کا خاندان قیام پذیر تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے اور ان کے خاندان بنو اسد بن عبد العزیٰ کی پناہ میں تھے۔ آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے کے بعد ایمان لائے اور مدینہ ہجرت فرمائی۔ تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ ہجرت کے آٹھویں سال جب اہل مکہ نے حدیبیہ میں ہونے والی صلح کو توڑ دیا، تو آپ ﷺ نے اہل مکہ کے خلاف فوجی کارروائی کی تیاری شروع کی آپ چاہتے تھے کہ مکہ والوں کو اس کی خبر نہ ہو؛ تاکہ آپ ﷺ اچانک مکہ پہنچیں اور مناسب جنگی تیاری نہ ہونے کی بنا پر اہل مکہ ہتھیار ڈال دیں اور حرم شریف میں خون خرابہ کی نوبت نہ آئے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ چوں کہ اصل میں مکہ کے رہنے والے نہیں تھے؛ اس لئے بظاہر آپ کے کنبے کے لوگوں کو وہاں کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا، انہیں خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ جب مسلمان مکہ پر حملہ کریں تو اہل مکہ انتقامی کارروائی کے طور پر ان لوگوں کو نشانہ بنائیں، جن کے رشتہ دار مسلمان ہو چکے تھے۔ تو اور لوگ تو شاید بچ جائیں؛ لیکن میرے خاندان کو تو کسی طرف سے کوئی تحفظ ہی حاصل نہیں ہے؛ اس لئے انہوں نے مکے سے آئی ہوئی ایک عورت کو دس دینار والی چادر دی اور اس کے ساتھ ایک خط

دیا کہ یہ اہل مکہ کو پہنچادو! خط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوری فوجی تیاری کے ساتھ مدینے سے نکلنے کی خبر تھی۔

اس خط کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتادی گئی، اور آپ نے خاتون کو مکہ پہنچنے سے پہلے ہی پکڑنے اور خط واپس لینے کے لئے ایک چھوٹا دستہ روانہ کردیا۔ بالآخر جب قاصد رسول اللہ کے پاس پہنچے اور خط کھولا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کا سر قلم کردوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور ان سے دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا: میں جیسے پہلے مسلمان تھا، اب بھی مسلمان ہوں، میں نہ کافر تھا اور نہ مرتد ہوا ہوں۔ مسلمان ہونے کے بعد کفر پر راضی ہونے کا سوال ہی نہیں؛ البتہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا تعلق خود مکہ سے ہے اور مہاجرین کے کنبہ کے لوگ وہاں موجود ہیں، اگر ان کے قرابت داروں پر کوئی آفت آئی تو وہ ان کو بچالیں گے؛ لیکن میرے کچھ قرابت دار وہاں ہیں، ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ تو ہم نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس فتح کا وعدہ فرمایا ہے، وہ تو بہر حال آپ کو حاصل ہو کر رہے گی؛ لیکن میرے اس عمل کی وجہ سے میرے کنبہ کے لوگوں کو تحفظ حاصل ہوجائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حاطب نے سچ کہا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: حاطب بدر میں شریک رہے ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: اب تم جو بھی چاہو عمل کرو، میں نے تم لوگوں کو معاف کردیا۔ (خلاصہ از: صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اہل بدر الخ: ۲۴۹۴، تفسیر قرطبی: ۱۸/۵۰۵۱، آسان تفسیر قرآن مجید)

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح سے سمجھی جاسکتی ہے کہ: کسی بھی مؤمن کے حق میں الزام تراشی، جھوٹ، پروپیگنڈہ اور طوفان بدتمیزی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی عزتِ نفس اس کی خدمات اور اس کی نیکیوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ بہت سی دفعہ جو آنکھیں دیکھتی ہیں وہ نہیں ہوتا۔ دن کے اجالے میں بھی آنکھوں کی تاریکی قائم رہتی ہے۔ تصویر کا ہر رخ دکھائی نہیں دیتا۔ معاملہ فہمی میں نقص اور ماحول شناسی میں کمی کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ انسان بھلے ہی سب کچھ دیکھتا ہے؛ لیکن بسا اوقات دل کی نگاہیں بند ہونے کی وجہ سے وہ عصبیت وتشدد اور کبھی کبھی نفرت کی وجہ سے حق نہیں دیکھ پاتا۔ یا پھر اپنے خاص خول میں بند رہنے اور سماجی وعلمی روابط سے دوری کی بنا پر بھی واقعہ کی نزاکت سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

ایسے بہت سے مسلمان ہیں، جن کی نیکیاں، خدمات، دین وملت کیلئے قربانیاں وجاں فشانیاں مشہور ہیں، انہوں نے علمی میدان میں بڑا کام کیا، ان کی علمی کاوشیں قابل قدر ہیں، انہی میں وہ بھی ہیں جو ملت کیلئے عملی میدان میں اور رفاہی کاموں میں یوں لگے رہے کہ سب کچھ بھلا دیا، رات دن ایک کردیے؛ لیکن عجیب بات ہے کہ اگر کبھی ان سے کوئی غلطی سرزد ہوجاتی ہے یا ان کے تعلق سے غلط فہمی عام ہوجاتی ہے۔ تو ان کی شخصیت کو اس طرح مجروح اور فراموش کردیا جاتا ہے کہ گویا وہ کبھی کچھ تھے ہی نہیں اور امت کیلئے وہ نافع بھی نہ بنے۔ علم کا جواب علم اور کام کا جواب کام سے دینے کے بجائے الزام تراشی، چھینٹا کشی اور بہتان تراشی سے دیا جاتا ہے۔ (بقیہ صفحہ: ۳۲ پر)

ارتداد کا بڑھتا ہوا فتنہ

اور ہماری ذمہ داری

محمد عاصم مبشر ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

آج کا دور کئی چیلنجز سے بھرا ہوا ہے، اور ان میں سب سے بڑا فتنہ ارتداد ہے، جواب ہر گلی، ہر محلے اور ہر گھر تک پہنچ چکا ہے۔ زعفرانی مشنریاں پوری طرح متحرک ہیں، اور جیسے ہی موقع ملتا ہے، اپنا شکار اٹھالے جاتی ہیں۔ اگر کوئی اسے مبالغہ سمجھے تو اپنے اردگرد جھانک کر دیکھ لے، حقیقت اس سے زیادہ بھیانک ہے جتنی ہمیں محسوس ہوتی ہے۔

یہ حالات اچھی تعلیم کے نام پر اسکولوں میں پھیلائی جانے والی خباثت کا بھی نتیجہ ہیں۔ والدین یہ سمجھ کر اپنے بچوں کو ان اداروں میں داخل کراتے ہیں کہ وہ انہیں بہتر تعلیم دیں گے، مگر وہاں غیر محسوس طریقے سے ان کی دینی شناخت مٹائی جارہی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں ان اسکولوں کا پردہ فاش کروں گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ: یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہاتھوں سے کیا ہوا ہے۔ اگر ہم نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کی فکر نہ کی، تو وہ دن دور نہیں جب وہی خاندان، جو صدیوں سے مسلمانی پر فخر کرتے آئے ہیں، اپنے گھر میں نام کا بھی کوئی مسلمان نہ پائیں گے۔

یاد رکھیں، مسلمان ہونا کوئی صرف ایک امتیازی حیثیت نہیں، بلکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم نے اس ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو بعید نہیں کہ خدا یہ نعمت ہم سے چھین کر دوسروں کو سونپ دے، اور ہم دنیاوی لالچ وخوف کے تحت ذلت کی موت مرنے پر مجبور ہو جائیں۔ معاذ اللہ! ہمیں چاہیے کہ ہم خود کو ذمہ دار بنائیں، اپنے ماحول پر نظر رکھیں۔

اگر آج ہم نے دوسروں کے گھروں میں بے دینی کے فروغ کو نظر انداز کیا، تو کل یہی فتنہ ہمارے دروازے پر کھڑا ہوگا۔ ہمیں اپنے بچوں پر دھیان دینا ہوگا اور ان مسلم اسکولوں کا سخت محاسبہ کرنا ہوگا جو محض نام کے مسلم ہیں، مگر ان کا تعلیمی ماحول مکمل طور پر غیر اسلامی ہے۔ ایسے اسکولوں میں بچوں کو نمازِ جمعہ اور بچیوں کو اسکارف پہننے کی اجازت بھی درخواست دے کر ملتی ہے۔ یہی وہ ماحول ہے جہاں غیر اسلامی طور طریقے پنپتے ہیں اور ناجائز تعلقات کو فروغ ملتا ہے۔

مخلوط تعلیم کے نام پر لڑکے لڑکیوں کو ایک ساتھ بٹھایا جاتا ہے، جس کا نتیجہ تعلیمی پستی اور آوارہ گردی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسکولوں کی جانچ پڑتال اور نگرانی کے علاوہ؛ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کہیں کوئی غیر مسلم لڑکا کسی غریب، بے سہارا لڑکی کو مدد کا جھانسہ دے کر اسے اپنے دام میں تو نہیں پھنسا رہا؟ کیا ہمارے معاشرے میں کوئی بوڑھا باپ اپنے بچوں کے غلط رویے کی وجہ سے بے بس ہو کر خاموشی اختیار کرنے پر مجبور تو نہیں؟ ایسے والدین کو مدد کی سخت ضرورت ہوتی ہے، اور ان کے بچوں کو مثبت راہنمائی اور موثر کاؤنسلنگ درکار ہوتی ہے۔

اسی طرح، ہمیں اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ جہاں ہمارے بچے ٹیوشن یا نوکری کے لیے جا رہے ہیں، وہاں ان کی نادانی کا فائدہ اٹھا کر انہیں کسی غیر اسلامی، کفریہ عمل میں ملوث تو نہیں کیا جا رہا؟ اگر ہم نے ابھی دھیان نہ دیا، تو کل ہمیں ایسے مناظر دیکھنے کو مل سکتے ہیں جو ناقابلِ بیان ہوں گے، اور پھر پچھتاوے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

لہٰذا، وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے ایمان، اپنی نسل اور اپنے معاشرے کے تحفظ کے لیے بیدار ہوں۔ اپنے گھروں، اپنے اسکولوں، اور اپنے اردگرد کے ماحول پر گہری نظر رکھیں۔ دین کی جڑوں کو مضبوط کریں، بچوں کی اسلامی تربیت کو اپنی اولین ترجیح بنائیں، اپنے بچوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھیں تاکہ آپ کے ساتھ وہ ہر اچھی بری یادداشت شیئر کر سکے۔ اور اپنے سماج میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے عملی اقدامات کریں۔ یہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت اور ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

****

(صفحہ: ۳۰ رکا بقیہ)

یہ رویہ درست نہیں ہے۔ اس طرح کے رویوں سے پہلے بھی امت کو بہت نقصان پہنچا ہے اور اب بھی ایسا سنگین نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے رجالِ کار سے کوئی کام ایسا سرزد ہو جائے جس کی توقع نہ ہو، تب بھی بدتمیزی کے بجائے افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ انہیں ذلیل وخوار کرنے کے بجائے آپسی مشاورت سے کام لینا چاہیے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ممکن ہے کہ ایک کام والی شخصیت ہم سے دور ہو جائے۔ وہ غمگین یا دلبرداشتہ ہو کر راہ حق سے محروم نہیں تو ناامید ہو جائے۔ وہ خود کو معاشرے سے الگ کر لے اور اس کی نافعیت کند ہو جائے۔ اس طرح کی رویوں سے کبھی امت میں انتشار بھی پیدا ہو جاتا ہے لوگ اپنی اپنی رائے کے مطابق اپنی راہ عمل، الگ تجویز کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ پوری امت کے لیے بہت نقصان دہ عمل ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

غامدی فکر کی بنیادی گمراہیاں

مولانا یحییٰ نعمانی، لکھنؤ

گزشتہ تقریباً بیس سال سے جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار کا ذرائع ابلاغ میں چرچا خاصا سرگرمی سے جاری ہے۔ یہ عاجز ان کی چیزیں اس وقت سے پڑھتا اور دیکھتا آیا ہے، جب غالباً ہندوستان میں ان کو معدودے چند لوگ جانتے تھے۔ ان کا رسالہ ''اشراق''، ''الفرقان'' میں آتا تھا اور کم از کم ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۸ء تک نظر سے گزرتا رہا۔ وہ اپنی نسبت محترم مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی طرف کرتے ہیں، میں ان کی چیزیں پڑھ کر محسوس کرتا تھا کہ مولانا مرحوم نے حد رجم کے سلسلے میں جس خطرناک جرأت اور شذوذ پر انتہا کی ہے، غامدی صاحب نے وہاں سے اپنا آغاز کیا ہے۔ پھر انٹرنیٹ نے ان کے افکار کی تبلیغ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا۔ ادھر کچھ عرصے سے ملک کے مختلف علاقوں میں لوگ ان کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ ان کے لیکچرز سے کچھ لوگ ہمارے یہاں بھی متاثر ہونے لگے ہیں۔ مغربی تہذیب کے بین الاقوامی غلبے اور پھیلاؤ کی وجہ سے مسلمانوں میں ہر جگہ ایک ایسا طبقہ وجود میں آ گیا ہے، جس کو اپنے مسلمان ہونے کے باوجود، اپنے خاص ماحول کے زیر اثر علماء اور اہل دین سے ایک نفسیاتی الجھن اور ذہنی دوری ہے۔ ایسے لوگ ہر گمراہ کن تحریک و دعوت کے سب سے جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ تجربہ ہو رہا ہے کہ یہی طبقہ غامدی صاحب سے متاثر ہو رہا ہے۔ میں سوچتا تھا کہ انٹرنیٹ کے ذریعے ہر متعدی مرض وبا کی طرح پھیلتا ہے، یہ بھی اسی طرح پھیل رہا ہے؛ لیکن مورخہ ۱۳/اپریل ۲۰۱۹ء کو معلوم ہوا کہ ان کے ادارے ''المورد'' کی بھارتی شاخ قائم ہو چکی ہے۔ جہاں سے ان کی کتابیں، رسائل اور ویڈیو لیکچرز وغیرہ کی نشر و اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔ مجھے اپنی دینی ذمے داری محسوس ہوئی کہ ان کے فکر کی بنیادی گمراہی کو واضح طور پر پیش کیا جائے؛ تاکہ ان کی چیزیں سننے اور پڑھنے والا واقف ہو کہ اُن کے افکار کی اصل بنیاد کس غلط فکری پر ہے اور ان کی آراء کیوں دین کی صحیح بنیادوں سے ہٹی ہوئی ہیں۔

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی گمراہی اور اہل سنت و اہل حق سے ان کا اصل انحراف کوئی معمولی قسم کا نہیں ہے۔ افسوس کہ وہ مقام رسالت کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ ان کے نزدیک بنیادی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہی نہیں کہ اُن کے ذریعے (قرآن کے علاوہ) دین کا کوئی عقیدہ یا عمل انسانوں کو دیا جائے۔ وہ منصب رسالت کا یہ مقام تسلیم نہیں کرتے کہ وہ دین کا کوئی حکم قرآن کے علاوہ جاری کرے۔ ہاں مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ میں جو دینی روایت جاری چلی آ رہی تھی غامدی صاحب کے نزدیک رسول اس کو اصلاح و تجدید کے ساتھ جاری کر سکتا تھا؛ لیکن اللہ اپنے رسول کو اپنے بندوں کے لیے کوئی نیا اور مستقل حکم دے اور وہ دین اسلام کا کسی درجے کا بھی حصہ قرار پائے یہ نبی و رسول کا منصب و مقام نہیں ہے۔

ان کا نظریہ ہے کہ حدیث کے ذریعے دین کا کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوتا وہ واضح طور پر منکر حدیث ہیں؛ البتہ ان کے انکار حدیث کی نوعیت مشہور عام منکرین حدیث سے قدرے مختلف اور نسبتاً کم درجے کی ہے۔ ان کے فکر کی شاید سب سے بنیادی کتاب ''میزان'' ہے۔ اس میں انھوں نے بڑی صراحت کے ساتھ اور کسی اشتباہ کے بغیر صاف واضح کیا ہے کہ حدیث دین کا ماخذ ہے ہی نہیں۔ غامدی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی جو روایتیں زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنھیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔'' کیا اس جملے میں کسی ایسی تاویل وتوجیہ کی کوئی گنجائش ہے جس کے ذریعہ یہ کہا جاسکے کہ غامدی صاحب منکر حدیث نہیں ہیں؟ اور پڑھیے اس جملے کے معاً بعد تحریر کرتے ہیں: ''اس مضمون کی تمہید میں ہم نے پوری صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے۔'' (میزان، ص:۶۱، ایڈیشن ۲۰۱۴ء) کیا اب بھی کوئی اشتباہ باقی رہ جاتا ہے؟

ہاں یہاں ایک چیز غور کرنے لائق ضرور ہے۔ مندرجہ بالا عبارت میں غامدی صاحب نے حدیث کے بارے میں یہ بات کہہ کر کہ حدیث کے ذخیرے کی زیادہ تر روایات اخبار آحاد ہیں، غالباً یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ حدیث کو دین میں حجت نہیں مانتے اس کا سبب ان کا خبر واحد ہونا ہے۔ اس طرح ان کے موقف کا شذوذ واجنبیت اور عام مسلمانوں کے لیے اس سے وحشت کم ہوجائے گی؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت میں اخبار آحاد کا لاحقہ بس ایک ''شئ زائد'' ہے۔ غامدی صاحب کے یہاں متواتر حدیث سے بھی دین کا کوئی نیا عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔ اوپر مذکور ان کی عبارت میں غور کیجیے: ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے۔

یہاں غامدی نظریے کی ایک خاص بنیاد اور جان لیجیے۔ جس سے اوپر کی عبارتوں میں حدیث کے بارے میں ان کے الفاظ کہ اس سے ''عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا'' اور یہ بات کہ حدیث ''دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ نہیں بن سکتی'' کا پورا مفہوم سمجھ میں آسکے۔ جناب غامدی صاحب نے اپنی اس کتاب میں، جو اُن کے فکر کی بنیاد ہے، بتایا ہے کہ، دین ہم تک دو صورتوں سے پہنچا ہے: ۱- قرآن مجید۔ ۲- سنت۔ دھوکہ نہ کھا جایئے گا! صحابہ سے لے کر آج تک مسلمان سنت سے جس حقیقت کو مراد لیتے ہیں اور جس کا نام لیتے ہیں ذہن وتصور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ملنے والی احادیث واعمال کا خیال آتا ہے، غامدی صاحب کے یہاں سنت اس معنی میں نہیں ہے؛ بلکہ یہ کچھ اور ہی تصور ہے۔ غامدی صاحب فرماتے ہیں: ''سنت سے ہماری مراد دینِ ابراہیمی کی وہ روایت ہے'' (جو عرب کے مشرکین اور یہود ونصاریٰ میں چلی آرہی تھی)، ''جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں جاری کیا'' (میزان، ص:۱۴)۔ اسی مقام پر غامدی صاحب کہتے ہیں کہ دین کے ماخذ بس یہی دو ہیں اور کچھ نہیں۔ فرماتے ہیں: دین لاریب، انھی دو صورتوں میں ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اسے دین قرار دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبار آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ

حقیقت نا قابل تردید ہے کہ ان کی تبلیغ وحفاظت کے لیے آپ نے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا؛ بلکہ سننے اور دیکھنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ چاہیں تو انھیں آگے پہنچائیں اور چاہیں تو نہ پہنچائیں۔، اس لیے دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔(ص:۱۵) غامدی صاحب کی یہ بات بالکل واقعے کے خلاف بات ہے۔تاریخ علم حدیث کے موضوع پر لکھی ہر کتاب حدیث کی حفاظت واتباع اور اس کی تعلیم وتلقین نیز ابلاغ کے اہتمام کے نا قابل تردید شواہد سے بھری ہوئی ہے۔

غامدی صاحب کی بنیادی گمراہی انکار حدیث ہے۔وہ ایک نئے طرز کے منکر حدیث ہیں۔مجھے بڑا قلبی قلق رہا کہ جس وضاحت کے ساتھ اور متعین ودوٹوک (Pin Point) نشان دہی کے ساتھ ان کی یہ گمراہی عوام کے سامنے آنی چاہیے تھی، نہیں آئی۔پاکستان میں ان کے افکار مختلف رسائل اور حلقوں میں زیر بحث آتے رہے، حیرت ہوتی تھی کہ ان کے افکار کے تجزیے میں، اہل حق کی نمائندگی کرنے والوں نے نہ جانے کیوں ان کی تردید میں بڑی لمبی چوڑی بحثیں کیں؟ جب کہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔

غامدی صاحب صرف انکار حدیث کے اس نظریے کا اظہار ہی نہیں کرتے؛ بلکہ اس کی عملی تطبیق بھی اس طرح کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کیے ہوئے وہ تمام حقائق وواقعات اور وہ تمام احکام جو قرآن میں نہیں ہیں اور جن کو وہ ملت ابراہیمی کی پچھلی روایت میں بھی نہیں پاتے ان کو صاف دین وشریعت کا حصہ ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔غامدی صاحب کے اس تصور دین کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض ایسے عقائد کا بھی انکار کیا گیا جو متواتر احادیث سے ثابت ہیں اور جن کے انکار پر یقینی طور پر لازم آتا ہے کہ آدمی نے ایسی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جو محمد رسول اللہ نے یقینی اور قطعی طور پر بتلائی تھیں۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب کہہ چکے ہیں کہ ملت ابراہیمی کی جو روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمائی اس کا نام ''سنت'' ہے اور اس کا دائرہ صرف اور صرف اعمال کی حد تک ہے۔عقیدہ کی کوئی قسم اس سے ثابت نہیں ہوسکتی (میزان، ص:۵۸)۔ان کے نزدیک حدیث اِس سنت کے علاوہ ہے اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ان کے نزدیک حدیث سے دین میں کوئی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوسکتا۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں آخرت، جنت جہنم اور دیگر عقائد کے سلسلے میں ارشاد فرمائیں اور عالم غیب کے جن بے شمار واقعات وحقائق کی خبر دی، چاہے ان کی روایت متواتر ومشہور اور صحیح ہی کیوں نہ ہوں، ان سے دین اور اس کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ان کے نزدیک یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین کے کسی عقیدے یا حکم کا ماخذ بن سکے۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ اس کا مطلب کیا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی اپنی مجلسوں میں جو گفتگو فرماتے رہے اور عالم غیب کی جو تفصیلی خبریں دیتے رہے اگر ان کا دین سے کوئی تعلق (بقول غامدی صاحب) نہیں ہے، تو کیا وہ سب فضول اور بے مطلب باتیں تھیں؟۔مجھے پاکستان کے بعض ان جلیل القدر علماء پر شدید حیرت ہے، جنھوں نے اس جیسی گمراہی اور کج فکری کی تردید میں بڑی لمبی چوڑی علمی گفتگو کر کے غامدی صاحب کو کسی سنجیدہ علمی گفتگو کا مستحق سمجھا؟ اور ان کے ان نامعقول افکار پر فلسفیانہ گفتگوئیں کیں۔اب غور فرمایئے وہ تمام احادیث جن میں مثلاً پل صراط اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول

وغیرہ کی خبر دی ہے، غامدی اصول دین میں ان میں سے کسی پر دینی عقیدہ اور یقین رکھنا غلط ہے، اس لیے کہ حدیث کی یہ ''مجال'' ہی نہیں کہ وہ ہمیں کوئی عقیدہ دے سکے۔ واضح رہے کہ یہ وہ حقائق اور اخبار ہیں جن کی حدیثیں متواتر طور پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، یعنی صحابہ سے لے کر بعد کی نسلوں تک ہر زمانے میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے اتنے لوگ رہے ہیں کہ ان کا کسی کذب بیانی یا غلط فہمی پر متفق ہونا عقلاً محال اور ناممکن ہے اور یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کی خبر دی ہے اور اپنی امت کو ان کے بارے میں بتلایا ہے۔ ایسی چیزوں کو علماء کی اصطلاح میں ''ضروریات دین'' کہتے ہیں۔ یعنی وہ باتیں جن کے بارے میں بدیہی یقین کے درجے میں یہ بات ثابت ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور ان کی بابت اپنی امت کو تعلیم دی ہے۔

علماء امت کا اجماع واتفاق ہے کہ ان ''ضروریات دین'' میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ علم کلام واصول اور دیگر اسلامی علوم کی کتابوں میں اس مسئلے کو پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ آخر دور میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''اکفار الملحدین'' میں اس سلسلے میں عقل صریح کی روشنی میں اور علماء امت کی بے شمار تصریحات جمع کر کے ہر صاحب فہم کے لیے مسئلے کو بے غبار کر دیا ہے۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات، جن کو ہر نسل میں اور ہر دور میں اتنے بہت سے لوگ نقل کرتے آئے ہوں، جن کے جھوٹ پر متفق ہونے اور سازش کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نہ یہ ممکن ہو کہ اتنے بہت سے لوگوں نے بات سمجھنے اور نقل کرنے میں غلطی کی ہو، تو پھر ایسے ارشادات کو تسلیم نہ کرنا اور ان کے خلاف عقیدہ وفکر رکھنا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ خدا کے رسول کی تکذیب وتغلیط کی گئی ہے۔ ''ربنا آمنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین''۔ اپنے اسی اصول کی وجہ سے غامدی صاحب حضرت عیسیٰ کی حیات اور نزول ثانی کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی وفات ہو چکی۔ اب نہ وہ زندہ ہیں نہ قیامت سے قبل دوبارہ تشریف لائیں گے۔ (میزان ۱۷۸) حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حیات اور قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے بارے میں یقیناً خبر دی ہے اور پوری صراحت کے ساتھ دی ہے اور آپ سے اس کی روایات متواتر ہیں یعنی اتنے بہت سے راویوں نے ہر دور میں بیان کی ہیں جن کے غلطی کرنے کا امکان بھی نہیں ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' میں ان روایات کو جمع کر دیا گیا ہے، جس کے بعد اس میں شبہ نہیں رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً حضرت مسیح کے قبل قیامت دنیا میں تشریف لانے اور عظیم کارنامے انجام دینے کی خبر دی تھی؛ مگر غامدی صاحب کے یہاں اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی وفات ہو چکی ہے اور ان کے دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کا عقیدہ بے حقیقت ہے۔ (میزان: ۱۷۸-۱۸۰) اگرچہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے؛ مگر ان کے نزدیک یہ چیز تو حدیث کے دائرے میں ہی نہیں آتی ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدے یا عمل کا اضافہ ہو سکے۔

عقائد ہی کی طرح غامدی صاحب کے دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے ان احکام وقوانین کا کوئی درجہ نہیں ہے جن کی اصل قرآن میں نہیں ہے اور جو ''دین ابراہیمی کی روایت'' میں انھیں نہیں ملتے۔ ہم زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتے؛ اس لیے کہ انھوں نے اپنے فکر وتصور دین کا جو اصول پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اس سے خود بخود وہ تمام واجبات ومحرمات اور سنن ومستحبات دین کی فہرست سے خارج ہو جاتے ہیں جن کی اصل قرآن میں نہ ہو اور جو دین ابراہیمی کی روایت کی حیثیت سے رائج نہ رہی ہوں۔ مثلاً بے شمار احکام ایسے ہیں جن کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے اور نہ ان کا کوئی سراغ ''دین ابراہیمی کی روایت'' میں اس طور پر ملتا ہے کہ عرب یا یہود ونصاریٰ ان پر کاربند تھے۔ مثلاً سونے کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے، مردوں کے لیے سونا اور ریشم کے لباس حرام ہیں، عورتیں ماہواری ایام میں نماز نہیں پڑھیں گی اور بعد میں ان کی قضا بھی نہیں کریں گی۔ داڑھی رکھنا اور بڑھانا واجب ہے۔ بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ وغیرہ نہ جانے کتنے حلال وحرام کے احکام ہیں جو غامدی صاحب کے اصول کے ذریعے دین کا حصہ نہیں رہیں گے اور ''خارج از اسلام'' قرار پائیں گے۔ ان کے تصور دین اور فکری اصول کا لازمی تقاضہ یہی ہے۔

غامدی صاحب کا حلقہ یہاں ایسے مقامات پر احادیث کی کچھ تاویل وتوجیہ، یا تضعیف، یا قرآنی آیات سے ان کے خلاف استدلال کی کچھ کوششیں کرتا ہے؛ مگر ان کو اس تکلف کی ضرورت ہی کیوں ہے؟ وہ مختصر یہ ہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمارے عقیدے میں حدیث سے دین میں کسی عقیدے یا عمل کا اضافہ نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ہم ان باتوں کو نہیں مانتے؛ مگر عموماً وہ اور ان کے متبعین اپنا عقیدہ صاف کہنے کے بجائے پردہ داری سے کام لیتے ہیں؛ اسی پردہ داری کی وجہ سے ہم کو ان کے فکر کی اس بنیادی گمراہی کو کھولنا پڑ رہا ہے۔ چہ بے خبر زمقام محمد عربیست۔ غامدی تصور دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب نہیں ہے کہ ان کے ذریعے، قرآن کے علاوہ اور یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب میں چلی آرہی دین ابراہیمی کی روایت کے علاوہ کو نیا دینی حکم قرار دیا جائے۔ وہ اگر حدیث میں دیے گئے کسی حکم کو قبول کرتے ہیں یا رسول اللہ کے حرام قرار دیے گئے کسی فعل کو حرام مانتے ہیں تو بس اسی وقت جب مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ کی دینی روایت میں اس کی سند مل جائے؛ اسی لیے ''میزان'' میں جو ان کے فہم دین کا مکمل صحیفہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بھی احکام قبول کیے گئے ہیں، ان کی سند بھی ذکر کی گئی ہے کہ بائبل میں اس کی اصل ملتی ہے یا عربوں کی جاہلیت میں اس پر عمل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے مسواک کو دینی عمل قرار دیا اور اس کا اجر وثواب بیان فرمایا۔ غامدی صاحب اس کو قبول کرتے ہیں مگر کیوں؟ اس لیے کہ جواد علی نے اپنی کتاب ''**المفصل فی تاریخ العرب قبول الاسلام**'' میں ''**المحبر**'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عرب مسواک کیا کرتے تھے۔ (میزان: ۶۴۱)۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ محمد رسول اللہ کے قول کو دین قرار پانے کے لیے ابولہب، ابوجہل اور پولس کی سند کی ضرورت ہے!! میزان میں غامدی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو دین تسلیم کیا ہے کہ جس کسی کا قربانی کا ارادہ ہو، وہ ذی الحجہ کے شروع سے قربانی کرنے تک نہ بال کاٹے نہ ناخن (صحیح مسلم)۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ آپ

نے اس حکم نبوی کو دین کیسے مان لیا؟ یہ تو آپ کے اصول کے خلاف ہے کہ کسی ایسی چیز کو دین مانا جائے جس کی اصل یہود ونصاریٰ یا مشرکین عرب میں چلی آرہی ملت ابراہیمی کی دینی روایت میں نہ ملتی ہو۔اس کے جواب میں غامدی صاحب کے رسالے (شمارہ نومبر ۲۰۱۸ء) میں بڑی تفصیلی تحریر شائع کی گئی، جس میں دکھایا گیا کہ یہ چیز ملت ابراہیمی کی روایت میں موجود تھی اور اس میں بائبل کے بھی بہت سے حوالے دیے گئے کہ اس لیے حدیث کے اس حکم کو دین کا حصہ مانا گیا ہے۔

عجب بات یہ ہے کہ حدیث کے ذریعے ہم کو ایسے بہت سے احکام ملے ہیں جن کا کوئی سراغ ملت ابراہیمی کی قدیم وموروث دینی روایت میں نہیں ملتا اور قرآن نے بھی ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے؛ مگر غامدی صاحب ان کو تسلیم کرتے ہیں۔وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عیدین دین کا حصہ ہیں۔کوئی ان سے پوچھے کیا عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا رواج عہد نبوی میں ملت ابراہیمی کی روایت میں کہیں تھا؟ عرب کے مشرکانہ تہوار اور میلوں ٹھیلوں کو ختم کر کے حدیث نے ہم کو عیدین کے دینی تہوار دیے۔یہ سب حدیث ہی سے ہم کو ملا ہے۔پھر وہ عید کی نماز کو بھی لازم قرار دیتے ہیں۔کیا عیدین کا کوئی تذکرہ قرآن میں ہے؟ کیا مشرکین مکہ بیت اللہ میں یا عیسائی ایلیاء میں اس کو قائم کرتے تھے؟ کیا یہود مدینے میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے؟

غامدی حلقے کو نماز جنازہ کا بھی قائل نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ انھوں نے اپنے نزدیک دین کے جو دو اور صرف دو مآخذ قرار دیے ہیں یعنی قرآن اور ''ملت ابراہیمی کی وہ روایت جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اور جاری فرمایا'' اس روایت میں ہم کو نماز جنازہ نہیں ملتی ہے؛ مگر غامدی صاحب اس کو دین کا حصہ مان رہے ہیں۔یہ کسی طرح خدا کی عبادت والی وہ نماز نہیں ہے، جس کا حکم ''اقیمو الصلوٰۃ'' کہہ کر دیا گیا ہے۔یہ اصل میں میت کے لیے دعا کی ایک واجب رسم ہے اور کوئی شک نہیں کہ خدا کی عبادت والی نماز سے بالکل الگ ایک مستقل حکم اور دین کا مستقل حصہ ہے۔یہ تمام وہ احکام ہیں جن کو اللہ کی وحی غیر متلو کے زیر حکم منصب رسالت سے دین قرار دیا گیا۔بوالعجبی کی انتہا: غامدی صاحب کے لیے ایک مسئلہ یہ پیش آیا کہ ان کے بقول، قرآن نے جانوروں میں سے صرف چار چیزوں یعنی مردار جانور، خون (دم مسفوح)، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور اور سور کے گوشت کی حرمت بتائی ہے۔باقی بہت سی اشیاء کے اللہ کی طرف سے حرام ہونے کی خبر ہمیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے۔مثلاً تمام درندے جیسے شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا، جانوروں میں ہاتھی گدھا، نیز پرندوں میں چیل، عقاب، گدھ، وغیرہ تمام امت ان کو صرف ارشاد رسول ہی کی وجہ سے حرام مانتی آئی ہے۔

تو غامدی صاحب کیا کریں، اگر یہ کہیں کہ یہ سب چیزیں حرام نہیں ہیں؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک حدیث سے تو شریعت ثابت ہی نہیں ہوتی، تو بڑی گھناونی بات ہوگی۔اور اگر ان چیزوں کو حرام کہیں تو اپنی فکر کی ساری عمارت زمین بوس ہوئی جاتی ہے۔اس مخمصے کا انھوں نے ایک حل نکالا اور کیا ''خوب'' حل نکالا!! انھوں نے ارشاد فرمایا کہ یہ دراصل انسان اپنی فطرت سے ہی جانتا ہے کہ یہ چیزیں گندی ہیں اور کھانے پینے کے لیے نہیں بنی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو جو حرام قرار دیا ہے وہ کوئی شریعت کا بیان اور حکم نہیں ہے۔محض فطرت انسانی کا بیان ہے۔ان کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لوگوں (یعنی پوری امت کے تمام علماء) سے

غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے ان باتوں کو شریعت کا بیان سمجھ لیا حالاں کہ وہ صرف فطرت کا بیان ہیں؛ حالاں کہ شریعت کی ان حرمتوں سے جو قرآن نے بیان کی ہیں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ غامدی صاحب کہتے ہیں: ''جانوروں کی حلّت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں''۔ یعنی مردار جانور، خون (دم مسفوح)، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور اور سور کا گوشت؛ چنانچہ قرآن نے بعض جگہ ''قُلْ لَا أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ'' اور بعض جگہ ''اِنَّمَا'' کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔ (میزان، ص:۳۶)

باقی وہ چیزیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا جیسے تمام درندے جیسے شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا، جانوروں میں ہاتھی، گدھا، نیز پرندوں میں چیل، عقاب، گدھ وغیرہ۔ ان کے بارے میں جنابِ موصوف فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کو شریعت کا بیان نہیں سمجھتے محض فطرت انسانی کا بیان سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: انسان کی فطرت بالعموم اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ اسے کیا کھانا چاہیے اور کیا نہیں کھانا چاہیے۔ اسے معلوم ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے، دسترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان جانوروں کے بول وبراز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ آگے فرماتے ہیں: بعض روایتوں میں (یہ جو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اُسی فطرت کا بیان ہے، جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا، درآں حالے کہ شریعت کی اُن حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یعنی کتا، بلی، گدھا، سانپ، بچھو، چیل اور گدھ کھانا محض فطرت انسانی کے خلاف ہے، کوئی کھائے تو یہ دینی طور پر حرام نہیں ہے۔

غرض ابوالعجیبوں اور تضادات کی ایک دنیا ہے۔ غامدی صاحب نے ایک غلط تصور دین قائم کر لیا پھر خود ان کو اس کے نتائج کا یارانہ رہا۔ یہاں غامدی صاحب کا اصول ان سے تقاضہ کرتا تھا کہ وہ کہیں کہ حدیث سے دین میں چوں کہ کوئی نیا حکم ثابت ہی نہیں ہو سکتا اور ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے'' (میزان، ص:۶۱، ایڈیشن ۲۰۱۴ء)۔ اس لیے ان کی حرمت کا خیال شریعت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ انھوں نے کتے، بلی، گدھے، شیر چیتے، چیل، باز اور سانپ بچھو کو حرام سمجھ رکھا ہے۔

جب غامدی صاحب کا اصول یہ ہے کہ ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے'' اور اس سے ''دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا''۔ (میزان، ص:۱۵) تو پھر یقیناً وہ کتے، بلی، چیتے، شیر، گدھے اور سانپ بچھو کو دین میں حرام نہیں کہہ سکتے۔ غامدی صاحب کے انکار حدیث کا یہی منطقی تقاضہ اور لازمی نتیجہ ہے؛ مگر وہ بہت ذہین آدمی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تو ان کے عقیدے ومسلک سے لوگوں کو متنفر کر دے گا اور پھر کون

مسلمان ان کے لیکچرز سنے گا اور ان کو ''اسلامی اسکالر'' مانے گا؟ اور کون ان کے حقیقی فکر کے نتائج کو سن کر کان نہ پکڑے گا کہ ایسی گمراہی سے خدا کی پناہ!! اس لیے انھوں نے ایک مضحکہ خیز تاویل اختیار فرمائی اور ایسا عجیب وغریب جوڑ بٹھایا کہ یہ کسی طرح ذہن قبول نہیں کرتا کہ غامدی صاحب جیسا ذہین وزیرک انسان ایسی لچر باتوں پر کبھی اپنے دل کو مطمئن کر سکا ہوگا۔

کل کو غامدی صاحب کا کوئی خوشہ چیں ان کے اسی اصول کو لے کر یہ کہہ سکتا ہے: ''استاذ امام'' کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ کتا، بلی، لکڑ بگھا، چیتا، ہاتھی، گدھا اور گدھ، چیل وغیرہ انسانی فطرت کی رو سے کھانے پینے کی چیز نہیں۔ نہ جانے کتنی اقوام کی مرغوب غذا میں کتا اور بندر شامل ہے۔ چینیوں کے یہاں سانپ نہایت لذیذ وپسندیدہ کھانا ہے۔ جن اقوام نے یہ چیزیں نہیں کھائیں یہ ان کے ''کلچر'' کی روایت ہے۔ یہ مزعومہ کہ ان چیزوں سے ابا فطرت انسانی میں ودیعت ہے اس کی کوئی دلیل سوائے ''استاذ امام'' کے ذوق کے نہیں۔ رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے؟ تو وہ کوئی مسئلہ نہیں۔ اس لیے کہ ہمارے موقف میں جس کو ہم نے ''پوری قطعیت کے ساتھ واضح'' کر دیا ہے، ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے''۔ لہٰذا کتے، چیتے، بلی، ہاتھی، بندر، سانپ، بچھو کو لوگوں نے غلط حرام قرار دے دیا ہے۔ نہ فطرت انسانی کی رو سے یہ چیزیں کھانے کے قابل ہیں اور نہ خدا کی شریعت کے محرّمات میں سے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس شاگرد رشید کا موقف بڑا کریہہ اور وحشت انگیز ہے؛ لیکن ہے سو فیصد غامدی صاحب کے اصول ومنطق اور ان کے دینی عقیدہ پر قائم۔ دین کے اگر غامدی اصول قبول کر لیے جائیں تو شریعت کے تین چوتھائی حصے کو دریا برد کرنا بس اسی جیسی چند تقریر ہائے دل پذیر کا محتاج رہ جائے گا۔ سارے انحراف کی بنیاد سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت کے ۱۴ر صدیوں بعد ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ دین کا ماخذ کیا ہے، یہ مسلمانوں کے اگلوں نے سمجھا نہ پچھلوں نے۔ میں وہ فرد فرید ہوں جو یہ پتہ لگانے میں کامیاب ہوا ہے کہ دین کا ماخذ کیا ہے۔

حیرت سے دماغ ششدر رہ جاتا ہے کہ غامدی صاحب جیسا ایک اچھا خاصا سمجھدار آدمی کیسی باتیں کر رہا ہے! وہ کہتا ہے کہ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے صحابہ ہزار ہا ہزار کی تعداد میں ہوئے، یہ بھی مانتا ہے کہ وہ چمن انسانیت کے گل سرسبد اور شجر اسلام کے بہترین ثمر تھے اور یہ بھی کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تبلیغ وتفہیم میں کوئی کسر نہ چھوڑی، مگر ساتھ ہی کہتا ہے کہ رسول، اپنے ان صحابہ کے لیے جو خلاصۂ انسانیت تھے، یہ تک واضح نہ کر سکا کہ اسلام کے ماخذ کیا ہیں؟ صحابہ کے بعد امت کی جو ساری علمی تاریخ ہے جس کے تسلسل میں تابعین عظام، ائمہ اسلام، اور بے شمار علماء کی قطاریں کھڑی ہیں وہ سب دین کے معاملے میں (معاذ اللہ) ایسے جاہل وکم مایہ ہوئے کہ ان کو یہ تک پتہ نہیں چل سکا کہ دین ان کو کہاں سے لینا ہے؟

آج غامدی صاحب نے دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ ''دین کے لاریب صرف دو ماخذ ہیں: ایک قرآن اور دوسرے ملت ابراہیمی کی وہ روایت جو یہود ونصاریٰ میں اور عرب کے مشرکین میں چلی آ رہی تھی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تائید وتصویب کے ساتھ امت میں دین کی حیثیت سے جاری کیا۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی چیز نہ

دین ہوسکتی ہے اور نہ اسے دین قرار دیا جاسکتا ہے''۔ پھر طرفہ دیکھیے! غامدی صاحب اس قدر بڑا دعویٰ فرماتے ہیں اور دین کا ماخذ واصل (Ssource) ایسا نیا بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی نے نہیں بتایا اور ماشاء اللہ پوری کتاب ''میزان'' اپنے اس دعوے کی دلیل سے خالی!! یعنی دلیل کے نام پر کوئی معمولی سی چیز بھی اس کی جناب پیش نہیں فرماتے کہ محمد رسول اللہ کا کوئی حکم یا تحلیل وتحریم کا کوئی ارشاد صرف اسی وقت دین اور شریعت قرار پائے گا جب وہ ملت ابراہیمی کی روایت کا حصہ ہو۔ اتنا بڑا دعویٰ اور حجت بس یہ کہ میں یہ سمجھتا ہوں!! سبحانَ مظہر العجائب! خدایا! رحم فرما۔

اس تحریر کا مقصد غامدی صاحب کی تردید اور ان کے افکار کا علمی جائزہ لینا نہیں ہے۔ بس مطمح نظر یہ ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ بنیادی طور پر ایک خاص طرح کے منکر حدیث ہیں اور یہ کھول کر سامنے رکھ دیا جائے کہ ان کے فکر ومسلک کے کیا لازمی نتائج ہیں۔ انھوں نے اپنے نزدیک جو دین طے کیا اور اپنی کتاب میزان کے دیباچہ میں اس اظہار اور اعلان کے ساتھ پیش کیا ہے: ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ کم وبیش ربع صدی کے مطالعہ وتحقیق سے میں نے اس دین کو جو کچھ سمجھا ہے، وہ اپنی اس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔'' اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ قرار پا سکے۔ ہاں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وارشاد کی تائید ''ملت ابراہیمی کی روایت'' سے ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دین میں جگہ پا جائے گا۔ ورنہ چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو حرام کہیں، یا اس کے مرتکب پر لعنت بھیجیں، یا اس پر اللہ کے عذاب کی وعید سنائیں، یا کسی چیز کو من جملہ واجبات فرمائیں اور حکم دیں، وہ چیزیں ضروری یا دینی حکم کا درجہ نہیں پا سکیں گی۔ ایسے موقعے پر کسی خوبصورت سی عبارت کے ذریعے ان احکامِ رسول کو غامدی دین میں ''لغو'' قرار دے دیا جائے گا؛ اس لیے کہ ان کے یہاں تو ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے''۔

غامدی صاحب اپنی ان واضح عبارتوں کے باوجود اگر یہ اصرار فرماتے ہیں کہ حدیث وسنت کے بارے میں ان کا اور عام علماء سلف کا موقف حقیقت میں ایک ہی ہے، اختلاف صرف اصطلاح کا یا علمی ترتیب کا ہے، جیسا کہ انھوں نے بھی کہا ہے اور ان کے کارپردازان وکلاء صفائی گھما پھرا کر کہتے رہتے ہیں (اور ہماری بھی دلی دعا ہے کہ ایسا ہو جائے) تو ان کو واضح طور پر اپنی اِن مذکورہ عبارتوں سے رجوع کرنا چاہیے۔ یہ عبارتیں انھوں نے اپنی سب سے مرکزی کتاب میں لکھی ہیں۔ ان کا مطلب بالکل واضح ہے اور خود ان کے رسالے نے اسی مفہوم کے مطابق ان کی آراء کی توجیہ کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم یا عمل اسی وقت دین قرار پاتا ہے جب اس کی اصل ملت ابراہیمی کی قدیم روایت میں پائی جاتی ہو۔ اس بنیادی مسئلے کی وضاحت کے بعد ان کی تاویلات وتوجیہات اور اختراعات کے تفصیلی جائزے کی ضرورت شاید نہیں رہتی۔ ان کی بعض آراء صحیح ہوسکتی ہیں؛ لیکن ایسی بنیادی گمراہی کا حامل شخص دین کے سلسلے میں لائق توجہ قطعاً نہیں رہتا۔ ایسے حضرات سے دین سیکھنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ جس کو نہ ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟ ہم اللہ سے جہاں اپنے لیے بھی ہدایت واستقامت اور توفیق ارزانی کی دعا کرتے ہیں، اُن کے لیے بھی کرتے ہیں۔

فقہ وفتاوی

ادارہ

سوال.....:۱..ایک خاتون طویل عرصے سے زوجیت کے حقوق پورے نہیں کررہی، ہروقت پریشان کرتی رہتی ہے اور خودکشی کی دھمکی دیتی ہے، اس خاتون کوشوہر کے حقوق کے بارے میں بتائیں۔ ۲..یہ خاتون والدین کے گھر جا کر بیٹھ جاتی ہے اورشوہر سے خرچے کا مطالبہ کرتی ہے، کیا وہ خرچے کے مطالبے کا حق رکھتی ہے؟ وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی جب کہ میں اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ ۳..میری اہلیہ اوراس کی والدہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ ۴..ایسی صورت حال میں، میں نے اس کی والدہ کو کہا: اپنی بیٹی کو لے جاؤ، میری طرف سے فارغ ہے، اس وقت میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی۔

جواب.....: واضح رہے کہ دین اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے، اس میں جہاں بیوی کے حقوق ہیں، وہاں بیوی پرشوہر کے حقوق کو بھی لازم قرار دیا گیا ہے، تاکہ طرفین میں محبت والفت کا یہ رشتہ بدستور قائم ودائم رہے، شوہر کے حقوق پامال کرنے اوراسے ڈرادھمکا کر پریشان کرنے والی عورت پر احادیث مبارکہ میں لعنت اوروعیدیں وارد ہوئی ہیں، ایسی عورت دین کے ساتھ ساتھ اپنی دنیاوآخرت کو بھی تباہ کردیتی ہے، ایسی عورت دنیا میں بھی اپنی زندگی جہنم بنادیتی ہے اور آخرت کا عذاب بھی الگ ہے، لہٰذا بیوی کو چاہیے کہ وہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی کو اپنا فرض جانے اوراسے اپنے لیے دنیا وآخرت کے سنورنے کا سامان سمجھے۔

۲...صورت مسئولہ میں ایسی عورت جوشوہر کی حق تلفی بھی کرتی ہواوراپنی والدہ کے گھر بھی رہتی ہواسے نان ونفقہ اورشوہر سے خرچے کے مطالبے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اورنہ ہی شوہر پرایسی بیوی کا خرچہ لازم ہے، نیز شریعت مطہرہ نے سات سال تک لڑکے کے اورنو سال تک لڑکی کی پرورش کا حق والدہ کو دیا ہے، بشرطیکہ بچوں کی ماں بچوں کے کسی نامحرم کے ساتھ نکاح نہ کرے، ورنہ حق پرورش ساقط ہوجائے گا، لہٰذا بچوں کی عمر اگر مذکورہ مدت سے زیادہ ہو، توانہیں اپنے ساتھ رکھنا آپ کا حق ہے، ماں کوشرعاً یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بچوں کوآپ کے ساتھ رہنے سے روکے۔

۳...شرعاساس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ داماد سے اپنی بیٹی کے لیے طلاق کا مطالبہ کرے، میاں بیوی کے بیچ منافرت اورمفارقت پیدا کرنا اوران کوایک دوسرے سے بدظن کرنا موجب گناہ بھی ہے اوراللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کومسلمانوں کی جماعت سے خارج بھی قرار دیا ہے، لہٰذاان کے درمیان صلح اوران کی زندگی کوخوش گوار بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ باقی شوہر کا اگر بیوی کے ساتھ اچھا سلوک ہے اور بیوی کے حقوق بجالاتا ہو، تو بیوی کے پاس بھی ایسے شوہر سے طلاق لینے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

۴...صورت مسئولہ میں "میری طرف سے فارغ ہے" کہنے سے آپ کی بیوی پرایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اب

دوبارہ ایک ساتھ رہنے کے لیے تجدید نکاح ضروری ہے اور آئندہ کے لیے آپ کے پاس فقط دو طلاقوں کا اختیار باقی رہے گا۔

سوال.....:۱..مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر کتنا مقرر ہوا تھا اور آج کل کے حساب سے اس کی کیا قیمت بنتی ہے؟ ۲..حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر معجّل تھا یا مؤجل، یا بعض مؤجل اور بعض معجّل تھا؟ ۳..اگر کوئی آدمی آج کل مہر فاطمی دینا چاہے اگر وہ اس مہر کو معجّل نہ دے بلکہ کچھ معجّل اور کچھ مؤجل دے، تو کیا اس طرح مہر ادا کرنے سے مہر فاطمی جو کہ مسنون ہے وہ سنت ادا ہوگی یا نہیں یا سنت کی ادائیگی کے لیے مہر فاطمی کا معجّل ہونا شرط ہے۔

جواب.....:۱...حضرت فاطمہ اور دیگر بنات مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا مہر ساڑھے بارہ اُوقیہ چاندی تھا اور ایک اُوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اس حساب سے مہر کی مقدار پانچ سو درہم بنتی ہے، موجودہ دور کے اعتبار سے اس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور گرام کے لحاظ سے 5309.1 کلوگرام چاندی بنے گی، چوں کہ چاندی کی قیمت میں ہر روز کمی بیشی ہوتی ہے، اس لیے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ کی قیمت مارکیٹ سے معلوم کرلی جائے۔

۲...حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پورا مہر معجّل تھا۔

۳..شریعت نے مہر کی زیادہ مقدار متعین نہیں کی، جتنی مقدار ادا کرنا سہل ہو اور لڑکی کے حالات کے بھی مناسب ہو، تجویز کرلیا جائے، البتہ مہر فاطمی دینا مستحب ہے، خواہ معجّل ہو یا مؤجل ہو یا بعض معجّل اور بعض مؤجل۔

سوال.....:۱..والدین کے آپسی اختلافات کی صورت میں اولاد کس کا ساتھ دے؟ ۲..اگر والدین کی طرف سے اولاد کو متعارض کاموں کا حکم ہو تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ۳..والدین کی اطاعت اور نافرمانی کا کیا معیار ہے؟ ..اگر والدین اور شوہر یا والدین اور بیوی کے حقوق میں تعارض ہوجائے تو کس کا حکم مقدم ہوگا؟

جواب.....:۱...والدین کے آپسی اختلافات کی صورت میں اولاد کسی ایک کا ساتھ دے کر دوسرے کی دل آزاری نہ کرے، بلکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی والا معاملہ کرے اور ان کے اختلافات کو خوش اُسلوبی سے ختم کرنے کی کوشش کرے اور اگر ختم نہ ہو رہے ہوں تو ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا رہے۔ ۲...واضح رہے کہ جب اولاد کو والدین کی طرف سے متعارض امور کا حکم ہو تو اولاد کے لیے ان امور پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جو شریعت مطہرہ کے مخالف ہوں، بلکہ وہ امور جو شریعت مطہرہ کے موافق ہوں اور ان پر بیک وقت عمل کرنا ممکن ہو، تو دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے، لیکن اگر بیک وقت دونوں پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ امور جن کا تعلق تعظیم اور احترام سے ہو تو اس میں والد صاحب کا حکم مانا جائے گا اور جن کا تعلق خدمت سے ہو ان میں والدہ کا حکم مانا جائے گا۔ ۳...والدین کی اطاعت اور نافرمانی کا معیار شریعت مطہرہ نے یہ مقرر فرمایا ہے کہ جو عمل شریعت کے مخالف نہ ہو اس میں والدین کی اطاعت ضروری ہے اور جو عمل شریعت کے مخالف ہو اس میں اطاعت ضروری نہیں ہے۔ ۴...واضح رہے کہ اگر والدین اور بیوی کے حقوق میں تعارض آجائے تو والدین کے حقوق مقدم ہیں، اسی طرح اگر والدین اور شوہر کے حقوق میں تعارض آجائے، تو شوہر کا حق مقدم ہوگا۔

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

جشن یوم جمہوریہ

۷۶ رویں یوم جمہوریہ کی مناسبت سے ۲۶ رجنوری ۲۰۲۵ رکو جامعہ میں ایک پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام میں بحیثیت مہمان خصوصی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی زید مظاہری صاحب دامت برکاتہم شریک رہے۔ حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں پرچم کشائی ہوئی اور بعدہ آپ نے طلبہ کو نصیحت فرمائی۔

موقعہ کی مناسبت سے جلسے کو خطاب کرتے ہوئے جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی زید مجدہ نے فرمایا: جمہوریت ایک عظیم نعمت ہے، جسے ہمارے اکابر نے بڑی قربانیوں سے حاصل کیا ہے۔ اس کی پاسداری اور حفاظت ہمارا قومی فریضہ ہے۔ جمہوریت جہاں ہمیں بہت سارے سیاسی وسماجی حقوق سے بہرہ ور کرتی ہے، وہیں ہمارے اوپر اس کی بقا اور استحکام کے حوالے سے کچھ ذمے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جنھیں نبھانا ضروری ہے۔

مولانا موصوف نے مزید کہا کہ آج کا دن محض جشن منانے کا دن نہیں ہے بلکہ یوم احتساب بھی ہے۔ آج کے دن ہمیں ملک کی تعمیر وترقی میں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے اور یہ عہد بھی کرنا چاہیے کہ اپنے قومی فرائض کی ادائیگی میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیں گے۔

بزم رشیدیہ کا اختتامی پروگرام

مورخہ 29 جنوری 2025 کو طلبۂ جامعۃ السعادۃ کی انجمن ''بزم رشدیہ'' کا اختتامی پروگرام جامعہ کے وسیع و عریض گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔ پروگرام کی سرپرستی جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی زید مجدہ نے فرمائی، جبکہ منصب صدارت کا فریضہ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا محمد صغیر صاحب پرتاب گڑھی نے انجام دیا۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروگرام کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے استاذ حضرت مولانا محمد خالد صاحب ندوی اور حضرت مولانا محمد مستقیم صاحب ندوی نے رونق بخشی۔ اس موقع پر طلبہ عزیز کے درمیان تلاوت قران کریم، نعت اور تقاریر کے مسابقے بھی ہوئے۔ جس میں چھوٹے چھوٹے بچوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنا پروگرام پیش کیا اور اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل۔

دار العلوم ندوۃ العلماء سے تشریف لائے مہمان خصوصی حضرت مولانا محمد خالد ندوی صاحب نے طلبہ کے پروگرام کو سراہا، انہیں شوق وذوق سے ایسے پروگراموں میں شرکت کرنے کی ترغیب دی، ساتھ ہی مولانا نے دار العلوم ندوۃ العلماء

کے نصاب و نظام اور اس کے خصوصی امتیازات پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی۔ آخر میں حضرت مولانا محمد مستقیم صاحب ندوی کی پرسوز دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

تکمیل ختم بخاری اور جلسہ عام

جامعہ اسعاد البنات میں تکمیل بخاری شریف اور جامعۃ السعادۃ میں حفاظ کرام کی دستار بندی کی مناسبت سے ۸ر فروری ۲۰۲۵ء بروز ہفتہ، جامعہ کے گراونڈ میں ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی۔

تقریب کو خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تحفظ ختم نبوت کے ناظم حضرت مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری نے کہا کہ اسلام ایک کامل دین اور عظیم نعمت ہے۔ یہ دین منقول ہے، جیسا اللہ کی طرف سے نازل ہوا ویسا ہی ہادی عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا۔ یہ دین متواتر ہے کہ اس کے اصول اور مبادی ہر دور میں یکساں رہے ہیں۔ پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد سے آج تک نمازوں اور روزوں کی تعداد جوں کی توں ہے، نماز کی رکعت قبلہ اور بنیادی عقائد بھی یکساں ہیں۔

یہ دین محفوظ ہے کہ ہر دور میں اس کو روایت کرنے والے، اس پر عمل کرنے والے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک اسے پہنچانے والے، لاکھوں، کروڑوں افراد موجود رہے ہیں۔ دین کی بنیادی کتاب قران کریم ہر طرح کے ردو بدل اور تحریفات سے پاک ہے۔ اس مقدس کتاب کا ایک لفظ جوں کا توں محفوظ ہے۔ انہوں نے اسلامی تاریخ اور محسوسات و مشاہدات کے حوالے سے کہا کہ اسلام مذہب کے پہلے دن مغرب کی نماز کی رکعت تین تھی، نماز فجر کی دو رکعتیں تھیں، آج بھی مغرب اور فجر کی نماز تین اور دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔ یہی حال دوسرے احکام اسلام اور عقائد کا ہے۔

مولانا شاہ عالم گورکھپوری نے مزید کہا کہ بچوں اور بچیوں کی نگرانی اور ان کی دینی تعلیم وقت کا تقاضہ ہے ان دونوں چیزوں میں ادنی کوتاہی بھی بڑے خطرے کا سبب بن جاتی ہے۔

تمہیدی خطاب میں ان دونوں اداروں کے مہتمم مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی نے کہا کہ جامعۃ السعادۃ اور جامعہ اسعاد البنات دونوں ندوۃ العلماء لکھنو کی شاخ ہیں، جامعہ اسعاد البنات میں دورہ حدیث شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے، جب کہ جامعۃ السعادۃ میں عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کا نظم ہے۔ ماشاء اللہ یہاں آٹھویں تک منظور شدہ ''جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول'' بھی چل رہا ہے۔ جو طالب علم یا طالبہ اس ادارے میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، انھیں ساتھ ساتھ ہائی سکول اور انٹر کا بھی امتحان دلایا جاتا ہے۔

جامعہ اسعاد البنات کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ریاض احمد گنگوہی نے کہا کہ اس جامعہ نے بہت ہی کم مدت میں بڑی حد تک علمی سفر طے کر لیا ہے۔ ایسے ادارے عام طور پر کم ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا ریاض احمد گنگوہی نے مہمان علماء کرام کا تعارف بھی کرایا۔

جامعہ امام انور شاہ دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی نے مدارس کی اہمیت اور حامل قران کے رتبے کے حوالے سے پر مغز خطاب کیا اور کہا کہ جس نے قران کریم سیکھا اور سکھایا اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا اور اس پر عمل بھی کیا، تو ایسے شخص کی زندگی سے رزق کی تنگی دور کر دی جاتی ہے۔

دار العلوم رشیدیہ گنگوہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور صاحب گنگوہی نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ اس موقعہ پر آپ نے امام بخاری کے حالات اور ان کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بخاری شریف کے پہلے باب الوحی اور آخری حدیث کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے، بخاری شریف کی آخری حدیث کے راویوں اور الفاظ، میزان، عدل، قسط، حمد، اور سبحان پر ہر زاویہ سے تفصیلی بحث کی۔

مولانا محمد انور گنگوہی نے حدیث کے نحوی اور صرفی نکات بھی بیان کئے اور کہا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کے آخری باب میں قران کریم کی جو آیت اور حدیث شریف لائے ہیں اس کا بنیادی مقصد معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کے اس باطل نظریے کو مسترد کرنا ہے، جس کے تحت یہ فرقے روز محشر اعمال نامے تولے جانے کے قائل نہیں ہیں۔

مولانا انور گنگوہی نے مزید کہا کہ حدیث شریف میں میں لفظ میزان استعمال کیا گیا، جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بڑا ترازو ہو اور پوری دنیا کے اعمال نامے اس میں تول دیے جائیں۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ہر عمل کے لیے الگ الگ ترازو ہو، یہ بھی امکان ہے کہ ہر شخص کے لیے الگ ترازو ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہر عمل تولہ جائے گا، کیسے تولہ جائے گا؟ کیسی ترازو ہوگی؟ اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دور حاضر تو سائنسی انکشافات کا دور ہے، اس میں ان چیزوں کی پیائش بھی کی جارہی ہے جو نظر نہیں آتیں۔

اس لیے اسلام مذہب کا یہ نظریہ 100 فیصد درست ہے کہ قیامت میں ہر شخص کا عمل تولا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہوگا جس کا عمل ہی نہیں تولا جائے گا، یہ لوگ وہ ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ تعداد ہزاروں میں ہوں گی۔ اسی طرح دوسرا طبقہ وہ ہوگا جو بغیر حساب کتاب کے ہی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی زندگی میں برائی کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ مولانا انور گنگوہی نے کہا کہ روز محشر میں عمل تولے جانے کا تعلق عقیدے سے ہے۔ شیخ الحدیث موصوف نے امام بخاری کے قوت حافظہ کے تعلق سے بھی کئی واقعات سنائے۔

اس سے پہلے حافظ فیروز سمیت نصف درجن حفاظ کرام کی دستار بندی کی گئی اور طالبات کو سند فضیلت سے نوازا گیا۔ اجلاس کی نظامت مولانا عابد رشیدی اور مولانا معظم رحمانی نے کی۔ اس موقع پر سابق چیئرمین حاجی راشد علی مولانا محمد مقیم رشیدی، مولوی عبید اللہ، حافظ حسین احمد، مولانا سلیم قاسمی، عمران ندوی، مولانا مرسلین، مولانا ارشد وغیرہ موجود تھے۔

طب وصحت

پپیتے کے فوائد

ادارہ

اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر پپیتا ایک شاندار پھل ہے، لیکن اس پر بہت کم لکھا اور پڑھا گیا ہے۔ پپیتے میں موجود طبی خواص کسی مہنگی دوا سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

پپیتا ایک ٹراپیکل پھل ہے جو اپنے میٹھے ذائقے کے لئے جانا جاتا ہے۔ یہ پھل وٹامن اے، بی، سی، ای، کیلشیئم، فائبر، میگنیشیئم، پوٹاشیئم اور کئی اقسام کے اینٹی آکسیڈنٹس سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس میں موجود لیوٹائن، کریٹونوئڈز اور زیکسینتھائن صحت کے لیے بہت ہی مفید قرار پائے گئے ہیں۔

موسم گرما میں پپیتے کا استعمال خاص طور پر فائدہ مند ہوتا ہے، کیونکہ اس میں پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جو جسم کو ہائیڈریٹ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

قدرتی قبض کشا دوا: پپیتا پورے نظامِ ہاضمہ کو قوت دیتا ہے۔ پیٹ اور معدے کے کئی امراض دور کرنے میں یہ ایک مؤثر دوا کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر صبح خالی پیٹ پپیتا کھایا جائے تو فائبر کی وجہ سے یہ قبض ختم کرتا ہے اور بدہضمی و تیزابیت کو بھی ختم کرتا ہے۔ صبح کے وقت پپیتا کھانے سے وزن گھٹانے میں مدد ملتی ہے۔ ریشے کی وجہ سے یہ بہت دیر تک پیٹ بھرے کا احساس دیتا ہے۔ اس طرح بار بار کھانے کی اشتہا کم ہوتی ہے اور موٹاپے کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے

امینیاتی نظام کا بجلی گھر: وٹامن سی اور اینٹی آکسیڈنٹس کی موجودگی میں پپیتا نہایت مؤثر انداز میں امنیاتی قوت بڑھاتا ہے جو بدن کا قدرتی دفاعی نظام بھی ہے۔ اس کے بعد بیماریوں اور انفیکشن سے بچاؤ میں مدد دیتا ہے۔ صبح سویرے پپیتا کھانے سے جسم کے فاضل زہریلے اجزا بھی ختم ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ایک بہترین ڈی ٹاکسیفائر بھی ہے۔

دل کا دوست: پپیتا کولیسٹرول گھٹاتا ہے، ذیابیطس کو روکتا ہے اور دل کو قوت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے کئی اجزا بلڈ پریشر قابو میں رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

خوبصورت جلد کا ضامن: ہر صبح پپیتا کھانے سے جلد پر نکھار بڑھ جاتا ہے۔ اس کی وجہ وٹامن سی اور اینٹی آکسیڈنٹس ہے جو جلد کے خلیات کی مرمت بھی کرتی ہے۔ پپیتا فری ریڈیکل بننے سے روکتا ہے اور جلد کو شفاف رکھتا ہے۔

جامعۃ السعادۃ واسعادالبنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ،شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ،ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جوملت اسلامیہ کی علمی، دینی اورفکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اوراپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اوراس کی لوکو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ،عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اورانہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اورانتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے،جس میں تعلیمی،تربیتی اوردعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اورلباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اوردیگر ہرطرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ باضابطہ طور پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے،اوردارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اورحکومت ہند سے منظور شدہ انگلش میڈیم اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعادالبنات'' قائم ہے۔اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ،خوبصورت اور ہرطرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔بچیوں کی نگرانی اوران کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں،یہ ادارہ بھی باضابطہ طور پر ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق ازدرجہ پرائمری تادورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے،ساتھ ہی کمپیوٹر اوردست کاری (سلائی،کڑھائی،امورخانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اورعطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔یوپی 247774
رابطہ نمبر 8630449150 / 09319530768

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

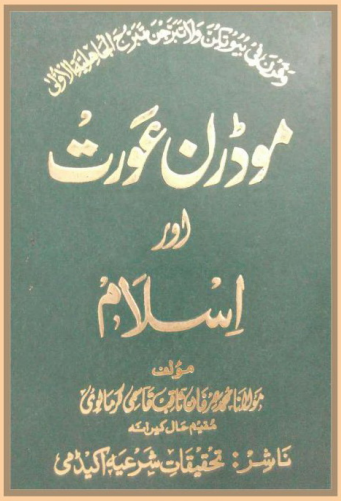

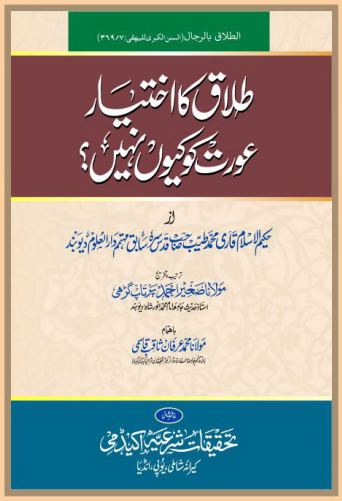

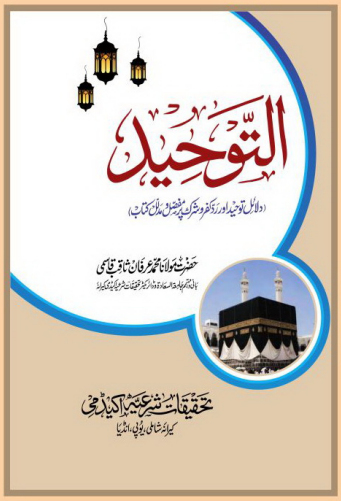

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768